کوثر و تسنیم

اکرم مظفر نگری

شمع بک ڈپو دہلی

کوثر و تسنیم

دوسرا مجموعۂ کلام

الم مظفرنگری

کتبہ عباس

دوسرا مجموعۂ نظم و غزل

بار اوّل ــــــــ ایک ہزار

شائع کردہ ناظم دارالاشاعت فردوس منزل مظفر نگر

دسمبر ۱۹۵۱ء

قیمت فی جلد ــــــــ للعہ

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

مُقدّمَہ

از جناب سجاد علی قادری الہ آبادی ایم اے

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد
محرم آنست کہ رہ جز باشارت نرود

اُردو شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے کہ داغ و امیر کے بعد اس کو ایک ایسے دور سے گذرنا پڑا جس کی خطرناک شورشوں نے اسکے طبعی اعتدال میں تزلزل پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ یہ کہ ہند جدید میں بعض جدّت پسند حضرات نے اس کے اصول فن اور قواعد وضوابط مسلمہ کی مخالفت کر کے اس کو ان فطری اور ضروری پابندیوں سے آزاد کرانا چاہا جن کے بغیر زبان کا ڈھانچہ اپنے صحیح مرکز پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ ان حضرات کو قافیہ۔ ردیف اور اوزان مقررہ کی پابندیاں اُردو شاعری کی ترقی میں حائل نظر آتی تھیں۔ یہ تحریک کسی غلط جذبے کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اختلاف تربیت وتعلیم

کی وجہ سے وجود میں آئی۔ علاوہ ازیں اردو فارسی کے ادب سے ناواقفیت اور مغربی علوم کی ترویج اس کا خاص سبب بن گئی۔

اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دوسروں کے ادب و شعر سے فائدہ اٹھانا ایک امر مستحسن ہے لیکن اس سے پہلے اپنی مادری زبان کے ادب و شعر سے کما حقہ آگاہی حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی مادری زبان کی شاعری میں ذوق سلیم نہیں رکھتا تو وہ ایسی زبانوں کے ادب و شعر سمجھ لینے کی اہلیت نہیں پیدا کر سکتا جن کو اس نے قواعد کی مدد سے سیکھا ہو۔ جدت پسند حضرات اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ جب تک کسی ملک و قوم کا ماحول اور وہاں کی تہذیب و تمدن جزو زندگی نہ بن جائیں اس وقت تک وہاں کے ادب و شعر پہ کما حقہ عبور حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان حضرات کے تصرفات خیالات تک محدود رہتے تو ممکن تھا کہ اردو ادب و شعر کو اِن سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اُردو زبان کے ادب و شعر کے مقررہ اصول و ضوابط اور دساتیر متقدمین کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ لہذا اس خطرۂ عظیم کو محسوس کر کے عین وقت پر چند صاحبانِ ذوق سلیم نے اُردو کے ادب و شعر کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور زبان کے قدیم اصولِ فن کی تائید میں آواز بلند کی، اور اس طرح کہ جدت پسندوں کے جزوی تقاضوں کی تائید بھی ہو جائے اور اصول لسانی کا ڈھانچہ بھی بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ خیالات جدید اور تخیل کی شگفتہ کاریوں کو اُردو میں جگہ دے کر اصولِ فن کو قائم رکھتے ہوئے قدیم و جدید حدوں کے اتصال سے ایک ایسا باغ لگایا

جس کے پھولوں کی رنگینیاں ہمیشہ قائم رہنے والی بہار کے جلوے نظر آنے لگیں۔ اس تحریک سے اردو ادب و شعر کو بہت فائدہ پہونچا اور اس خطرے سے بھی نجات مل گئی جو ہنگامی طور پر پیدا ہو گیا تھا۔ اس جماعت کی نمایاں ہستیوں میں مولانا محمد حسین آزاد[1]۔ مولانا حالی ڈاکٹر اقبال۔ حضرت اکبر الہ آبادی۔ جناب چکبست۔ علامہ سیاب اکبر آبادی اور اُن کے ہمنوا ہیں۔ کوثر و تسنیم کے مصنف مولانا الم مظفر نگری بھی اسی قافلے کے ساتھ گامزن ہیں۔ اور ان کی شاعری بھی قدیم اصول فن کی تائید اور جدید تقاضوں کا بہترین سنگم ہے قبل اس کے کہ ہم مولانا کی شاعری کے متعلق اظہار خیال کریں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے مختصر حالات بیان کر دئے جائیں۔

مختصر حالاتِ زندگی

آپ کا نام محمد اسحاق اور تخلص الم ہے۔ نسلاً افغانی اور مذہباً حنفی و صوفی ہیں۔ شعر گوئی میں مولانا سیماب اکبر آبادی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ حسین خاں ترک وطن کر کے مظفر نگر میں آئے اور یہیں سید نامدار علی کے ہاتھ پر بیعت کر کے بود و باش اختیار کر لی۔ سید صاحب موصوف سادات بارہ میں سے تھے اور مرجع خلائق۔ خاں حسین کا اصلی وطن موضع ٹپرانہ (Taprana) ہے۔ یہ موضع باونی افغانان ضلع مظفر نگر و ضلع سہارنپور میں سے ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں قدیم قوم کے

---

[1] اگرچہ محمد حسین آزاد بحیثیت شاعر زیادہ مشہور نہیں۔ لیکن رنگ جدید اختیار کرنے والے شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ قادری

مٹے ہوئے آثارِ حیات، ٹوٹے ہوئے کھنڈرات کی پیشانیوں میں آج بھی کندن کی طرح چمک رہے ہیں مولانا کا باقی ماندہ خاندان ابھی اسی تاریخی موضع میں آباد ہے۔

جناب حسین خاں اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور صاحب حال و قال تھے۔ انھیں کے روحانی تصرف سے مولانا کے خاندان میں تصوف اسلامی کا صحیح مذاق پیدا ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے کلام میں روحانیت اور خیالات متصوفانہ کی تجلیاں جابجا جھلک رہی ہیں۔ یہ انھیں حسن خاں مبرور و مقدس کا روحانی فیض ہے۔ مولانا نے سلسبیل میں ایک نظم بعنوان حسین خاں لکھی ہے۔ اس کے اشعار سے بھی ہمارے خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سایہ افگن مجھ پہ ہے لیکن اک ایسا آفتاب
نغمہ زن ہے جس کی کرنوں سے مرے دل کا رباب

جس نے گرمایا مرے قلب فسردہ کا لہو
جس نے بخشا میری ہستی کو مذاقِ آرزو

کی عطا جس نے مجھے آگاہیِ رازِ وجود
ذہن کو میرے بتائے معنیِ بزمِ شہود

یہ مری طرزِ سخن اور یہ مرا ذہنِ جواں
ہیں اسی کے فیض سے صد رشکِ گلزار جناں

اب مری مضراب ہے اور ماہِ تاباں کا رباب
بھر کے پی لیتا ہوں تاروں کے پیالوں میں شراب

درسِ آموزِ حقیقت ہے گلوں کی خامشی
اب مجھے دیتی ہے پیغامِ محبت ہر کلی

کون ہے وہ تو ہے اے میرے بزرگِ محترم
جو شعورِ زندگی دیتا ہے مجھ کو دمبدم

کر دیا ہے تو نے مجھ کو رازِ دہر نشاں تین

روح پر تیری ہزاروں رحمتیں "خانِ حسین"

شمع بزمِ عشق کے جلوؤں کا پروانہ تھا تو
راز دارِ کعبہ نبّاضِ صنم خانہ تھا تو

تو سراپا واقعی مظہر تھا سوزِ عشق کا
کوئی انگارہ بجائے دل ترے پہلو میں تھا

روزِ اوّل ہی سے تھا سرمست صہبائے الم
تیرے سینے میں سُلگتے تھے ہزاروں طورِ غم

کس قدر نبّاض تھا مفہوم نفسیات کا
تو نے سمجھا مرتبہ کیا ہے فنا فی الذات کا

تو نے سمجھایا کہ ہستی سے گذر جاتے ہیں یوں
مرنے والے موت سے پہلے ہی مر جاتے ہیں یوں

اتنی پی لی تھی محبت میں خودی کے جام سے
کھیلتا تھا مست ہو کر گردشِ ایام سے

تیری رگ رگ میں رواں تھا گرچہ افغانی لہُو
پھر بھی اپنے نفس کی تعدیل پر قادر تھا تو

ابتدائی فارسی و عربی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو آپ کے والد جناب خاں اللہ دیا شاہ صاحب نے مولوی صفدر علی صاحب کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ پہلے استاد ہیں جن سے آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ مولوی صفدر علی ایرانی اپنے وقت کے جید عالم علوم متداولہ میں ماہر اور علم جفر و نجوم میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہونہار شاگرد کی استعداد فطری کا اندازہ کر کے سلسلۂ تعلیم شروع کیا اور پہلے علوم دینی کا درس دیا۔ تفسیر میں بیضاوی، تفسیر کبیر۔ فقہ میں ہدایہ اور حدیث میں صحیح بخاری پڑھائی۔ ادب میں مقامات حریری، مقامات بدیعی، حماسہ، متنبّی، سبعہ معلقہ اور سقط الزند جیسی مستند و مشہور کتابیں پڑھائیں اور ان تمام علوم پر عبور حاصل کرانے کے بعد علم نجوم کی خاص طور پر تعلیم دی۔ مولانا نے فارسی تعلیم بھی انھیں بزرگ سے حاصل کی

اور بعد میں پنجاب اور الہ آباد یونیورسٹیوں سے السنۂ مشرقیہ کے اعلیٰ امتحانات پاس کئے۔ فی الحال آپ اسلامیہ انٹر کالج مظفر نگر میں لکچرر ہیں۔

مولوی صفدر علی ایرانی کے متعلق اتنا اور جان لینا چاہئے کہ یہ بزرگ سید مظہر علی شاہ ایرانی کے خاص مریدوں میں سے تھے اور مولانا آلم کے والد بھی انھیں سید صاحب کے زمرۂ مریدین میں سے تھے۔ چنانچہ اسی نسبت اور علاقہ روحانی کی وجہ سے مولوی صفدر علی صاحب نے آپ کو بتوجہ خاص پڑھایا اور یہ سلسلۂ تعلیم کئی سال جاری رہا۔ سید مظہر علی شاہ ایرانی حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ حیدر آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کا قیام شہر میرٹھ میں رہا۔ بازار پیر اصل کی ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے تھے۔ یہ مسجد اب بھی موجود ہے۔ آپ یہیں آخر وقت تک رہے اور بعد وفات دہلی دروازے کے باہر مدفون ہوئے۔ آپ کے مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے اور حال و قال کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔

اس سلسلۂ تصوف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا آلم ایک ایسے مقدس اور بابرکت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور تاریخی حیثیت سے ہر طرح مسلم ہے۔

شاعری جہاں تک آپ کی شاعری کا تعلق ہے اس پر ایک مسلسل نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ قصیدہ۔ غزل۔ رباعی اور مثنوی سبھی کچھ کہتے ہیں مگر نظم و غزل کی طرف توجہ زیادہ مبذول رہتی ہے۔ آپ کا پہلا مجموعۂ کلام سلسبیل اور دوسرا مجموعہ کوثر و تسنیم دونوں

ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کے کلام میں جو ایک غیر معمولی ترفع اور تخئیل کی متوازن پروازپائی جاتی ہے وہ عربی اور فارسی ادب وشعر کی ممارست اور فطری وجدان کے شعور کا نتیجہ ہے۔

فرسودہ مضامین اور روایتی موضوعات کو جدید طرز بیان کی قوتوں سے اس طرح سجاتے ہیں کہ ہر مضمون نیا اور ہر موضوع سخن زندگی سے قریب تر نظر آنے لگتا ہے فلسفۂ حسن وعشق کی تفسیر کے ساتھ ساتھ حقائق حیات خود بخود اُبھر آتے ہیں اور اس طرح کہ احساسات کے تمام جالیاتی گوشوں پر نگاہیں رقص کرنے لگتی ہیں۔ آپ کے لفظی اور معنوی اجتہادات ذوق سلیم پر گراں نہیں گزرتے۔ فطرت کے مخفی اور نازک اشاروں کو اس طرح بے نقاب کرتے ہیں کہ ذوق انسانی ان سے بیک وقت لذت بھی حاصل کرتا ہے اور حیرت بھی۔ اور ایسی حیرت محمودہ کہ جس کے بعد نظر جلوہ، اور جلوہ نظر بن کر رہ جاتا ہے۔ آپ کی شاعری ماضی وحال اور استقبال کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ گویا وہ ایک ایسا پیغام لاہوتی ہے جسے زمان ومکان کے تقیدات محدود نہیں کر سکتے جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں یہ ایک حقیقت ہے اور مولانا کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے اس کی تائید ہو سکتی ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر اک طرف یہ ہجومِ بہار تھا کہ مجھے
چمن تو کیا درِ زنداں کا راستا نہ ملا

دیکھئے جلووں کے ہجوم میں نگاہ کی خیرگی اور حیرت مسلسل کی تصویریں قادر الکلامی

کے ساتھ کھینچی ہے۔ بیخودیٔ شوق میں جو حالت سالک پر گزرتی ہے اس کا تصوّر دلانے کے لئے کتنا بہترین انداز بیان ہے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں تمام اعتباری حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور چمن و زنداں، نور و ظلمت کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور جلوۂ ازل کے سوا چشم حیرت نواز کو اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

ہے فرض تجھ پہ فقط بندۂ خدا کی تلاش
خدا کی فکر نہ کر وہ ملا ملا، نہ ملا

چشمِ ممکن جلوۂ واجب کو نہیں دیکھ سکتی ہاں اگر چشم بصیرت پیدا ہو جائے تو ممکن ہی میں اس کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ غالبؔ نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

مولانا نے نہایت کامیاب پہلو پیدا کیا ہے۔ حقیقی بندۂ خدا کی تلاش ہی خدا کی تلاش ہے۔ یہ نظریہ اپنی جگہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کیونکہ انسان جسقدر حقیقت انسانی سے قریب ہوتا جائے گا اسی قدر تقرب الی اللہ کے مقام پر فائز ہوتا چلا جائے گا.... لیکن واجب و ممکن میں ایک نازک فرق ہر مقام پر رہتا ہے جسکی طرف اس غزل کے مقطع میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

رہا ہمیشہ الٰہم درمیاں حجاب خیال
ملا وہ جب کبھی مجھ سے تو غائبانہ ملا

شعرائے متصوفین نے تجزیہ مجردات کے سلسلے میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور اس عنوان خاص پر جس انداز سے بحث کی ہے وہ دنیائے شاعری میں ایک قابلِ قدر اضافہ سمجھا جاتا ہے، لیکن صفائی زبان اور قریب الفہم انداز سخن سے جن شعرا نے کام لے کر دقیق مسائل کو حل کیا اور شعریت کی مدد سے اس شراب کو دو آتشہ کیا ان کے کلام کو شہرتِ دوام حاصل ہوگئی۔ حافظؔ و غالبؔ کے یہاں یہ متاعِ گراں بہت ارزاں ہے اگرچہ غالبؔ کا بیان بعض جگہ حافظؔ کی طرح سُلجھا ہوا نہیں مگر بہ لحاظ تخلیقِ مضامین وہ حافظؔ سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ مولانا کے یہاں بھی اس قسم کے مضامین کی کمی نہیں۔ ان اشعار کو دیکھئے۔

منزلِ دہر کو آرام کی منزل نہ بنا ❊ بے خبر ہوش میں آموج کو ساحل نہ بنا
بحرِ الفت میں کہاں ٹھہرتی کشتیٔ حیات ❊ موج سے موج تو بنتی رہی ساحل نہ بنا

توسمجھتا ہے جسے جلوۂ تشریف بہار ❊ طائرِ رنگِ چمن کی نہ ہو پرواز کہیں

حقیقت بھی نظر آتی ہے باطل کیوں خدا جانے ❊ نظر کے سامنے جب پردۂ امکاں نہیں ہوتا

اُلٹنے ہی کو تھا میں پردۂ مجاز مگر ❊ کسی نے چپکے سے دل میں یہ کہہ دیا کہ نہیں

یہ ہمہ گیر اثر جوہرِ ذاتی کا نہیں ❊ کوئی ذرّوں کو سکھاتا ہے بیاباں ہونا

فارسی میں عرفیؔ و نظیریؔ اور اردو میں غالبؔ و مومنؔ اور آتشؔ نزاکت خیال، دقتِ نظر اور شیوہ بیانی کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں خصوصاً غالب کے یہاں تو شیوہ بیانی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی شاعر کے کلام میں یہ خوبیاں پیدا نہیں ہو جاتیں اس وقت تک اس کو اہلِ دل کی طرف سے "قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است"

کی سند نہیں ملتی اور یہ درجہ اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کو فطرت نے اپنی لازوال عنایتوں سے نوازا ہو۔ مولانا کے یہاں سینکڑوں اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں یہ نغمے پوری خوش آہنگی کے ساتھ رقص فرما ہیں۔ بعض مقامات پر شیوہ بیانی کا یہ عالم ہے کہ قوت فکریہ ان کی حدوں سے بہت دور معلوم ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اشعار خود بخود موزوں ہو کر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گئے ہیں ...... ملاحظہ فرمایئے۔

دنیا پلٹ گئی نگہِ ملتجی کے ساتھ ؛ وابستہ انقلاب تھا بیچارگی کے ساتھ

آئینے ہی میں نہ ہو آئینہ پرداز کہیں ؛ پردۂ جوہرِ آئینہ اٹھا کر دیکھوں

لئے بیٹھا ہوں اب میں انتظارِ صبح منزل کو ؛ سرِ منزل پہنچکر بھی ہوا مجھ کو نہ کچھ حاصل

ہر اک وحشی ہمارا قابلِ زنداں نہیں ہوتا ؛ وہ یہ کہکر سپرد اہلِ گلشن کر گئے مجھ کو

بہارِ گل سے ہے شبنم کا واسطا کہ نہیں ؛ گرا نہ دامنِ رنگیں سے آنسوؤں کو مرے

شکستِ شیشۂ دل کا نہیں خیال مجھے ؛ کمالِ گرم نگاہی تو اُن کا دیکھ لیا

اک خواب تھا گیا جو شبِ زندگی کے ساتھ ؛ اب ہستیٔ جنونِ محبت کا ذکر کیا

تو ہی بتا کہ میں مانگوں کوئی دعا کہ نہیں ؛ گریز اور تری مصلحت سے ناممکن

دیوانۂ حقیقتِ منزل نہ بن ابھی ؛ اوّل ہے فرض منزلِ مقصود کی تلاش

ہر گریباں میں مرا چاک گریباں نکلا ؛ سب ہی مجبور تھے عالم میں جنوں کے ہاتھوں

بلا کی وسعتیں رکھتا ہے صحرائے عدم میرا ؛ زمیں سے تا فلک چھایا ہوا ہے بزمِ ہستی پر

قفس رکھا رہا برسوں مری شاخِ نشیمن پر ؛ اسے کیا دیکھتا محوِ جمالِ آشیاں تھا میں

یہ راز وہ ہے جس سے میں واقف ہوں اور نہ تو ٭ کب سے ہوں میں تری نگہِ انتخاب میں
کہتے ہیں جس کو زخمِ محبت کچھ اور ہے ٭ ہونے کو یوں تو گل کا بھی سینہ فگار تھا
اپنی فطرت پہ ہر اک شے ہے کمالِ فطرت ٭ دل کو دل رہنے دے کونین کا حاصل نہ بنا

آپ کے کلام سے اس قسم کا انتخاب کرنا مشکل ہے کیونکہ ہر جگہ یہ خصوصیتیں بہتات سے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں تصوف کے تمام مقررہ عنوانات اور فلسفیانہ حقائق پر شاعرانہ استدلال کے ساتھ ساتھ بہت کچھ کہا گیا ہے اور فیضِ سخن کی کمی کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ معرفت حقیقت۔ تجرید۔ وحدت وجود۔ رضا بقضا اور تسلیم و فنا کی کوئی بھی ایسی منزل نہیں جہاں آپ نے قدم نہ مارا ہو۔ ہم بخیال تطویل اشعار نقل کرنے سے معذور ہیں۔ کلام کو بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے۔ غزلوں کے علاوہ نظموں میں بھی حقائق و معرفت کے دفتر موجود ہیں۔ جہاں کہیں منظر نگاری۔ ترجمانی جذبات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پوری کامیابی سے لکھتے ہیں اور اپنے معاصرین سے کسی طرح پیچھے نہیں رہتے۔

نثر نگاری

یہ امر بالبداہت واضح ہے کہ شعرائے اردو نثر نگاری کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے۔ سوائے غالبؔ اور کسی نے اس طرف توجہ خاص نہ کی ہند جدید میں بھی یہی عالم ہے۔ سوائے دو چار حضرات کے اچھے نثر و نگار نظر نہیں آتے۔ لیکن مولانا نظم کی طرح نثر پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کے علمی۔ فنی۔ تاریخی اور مذہبی مضامین

ملک کے مشہور اور مستند اخبار و رسائل میں برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چند مذہبی رسالے بھی لکھے ہیں۔ آپ کے تنقیدی مضامین خاص طور پر پسند کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک طرز نگارش کا تعلق ہے ایک خاص اسلوب کے مالک ہیں۔ آپ کی نثریں تکلفات بے معنی سے پاک ہوتی ہیں۔ دلچسپ طرز بیان۔ فلسفیانہ گہرائی۔ کہیں کہیں ہلکی شوخی انداز نگارش کو کافی دل نشین بنا دیتی ہے۔ تشبیہہ استعارے کم لاتے ہیں۔ بیان نہایت صاف اور بے گنجلک ہوتا ہے۔ روانی و جزالت ہر جگہ قائم رہتی ہے۔ علمی مضامین میں سنجیدگی اور ثقاہت بدرجہ اُتم پائی جاتی ہے۔ تنقید و تحقیق میں عہد حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اگرچہ علمی مضامین کی ترتیب میں روایت سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ لیکن موقع و محل کے لحاظ سے درایت کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں۔ عبارت کی سادگی اور بیان کی دلچسپی کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ کہیں کہیں شوکت الفاظ سے پورا زور پیدا کر دیتے ہیں۔ سُرعتِ ذہنی اور قوتِ استدلال کی مدد سے تھوڑے الفاظ میں زیادہ معنی پیدا کرنا آپ کا فطری جوہر ہے۔

نجوم اُردو شاعری کی تاریخ میں یہ بات بھی اپنی جگہ بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ شاعروں میں اس وقت تک صرف دو شخص علم نجوم کے ماہر نظر آتے ہیں ایک حکیم مومن خاں مومنؔ اور دوسرے مولانائے موصوف۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ نے علم نجوم مولوی صفدر علی صاحب سے حاصل کیا ہے۔ لیکن اپنی فطری استعداد کی مدد سے اس فن خاص میں بھی قابلِ اعتنا ملکہ بہم پہنچایا ہے۔ وہ تمام مضامین جو علم نجوم کے

متعلق آپ نے ملک کے بعض رسائل میں لکھے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ اس فن میں بھی کماحقہٗ دسترس رکھتے ہیں۔ باستدلال ستارہ شناسی آپ نے آنحضرت صلعمؐ کا زائچہ پیدائش مرتب کرکے صحیح صحیح احکام لگائے اور بدلائل ثابت کیا کہ آنحضرت صلعمؐ خاتم النبیین ہیں۔ یہ زائچہ لاہور کے مشہور ہفتہ وار اخبار خیّام کی ۸ جون ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چھپ چکا ہے یہ آپ کے منجمانہ کمال کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ فن نجوم کے متعلق ایک مبسوط کتاب بھی لکھی ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

ہم نے اس مختصر مضمون میں مولانا کے ذاتی۔ علمی اور شاعرانہ حالات وخصوصیات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اس مختصر مقدمہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ آپ کے علمی اور شاعرانہ مقام کو سمجھانے کے لئے کوئی تفصیلی گفتگو کی جاسکے لیکن پھر بھی جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں آپ کی شخصیت کے چند ایسے پہلو سامنے آگئے ہیں جن کی وجہ سے اہل ذوق آپ کے مقام علم وفن کو سمجھ سکتے ہیں۔

سجّاد قادری الہ آبادی ایم۔ اے

نزیل رڑکی مورخہ ۹ نومبر ۱۹۵۱ء

شمعِ محفل خفتہ بُود و شوقِ صحبت رفتہ بُود
آتش افگندم بہ مجلسؔ بال بر مجمر زدم

نظیری

مرغِ تجریدم نوا در فصلِ دے
بر فرازِ شاخِ عریاں می زنم



آلم مظفر نگری



سجّاد قادری ایم اے

"اِلتجا"

انقلابِ صد جنوں پرور مذاقِ دل میں آ
محشرِ طوفاں سکوتِ دامنِ ساحل میں آ
زندگیِ عشق پھر ویرانیٔ محفل میں آ
شمع افسردہ ہیں آ پروانۂ بیدل میں آ

مجلسِ خفتہ کو دے پیغام بیداریٔ شوق
نغمۂ آتش نوا سازِ سرِ محفل میں آ
گھِر گیا ہے ظلمتوں میں کاروانِ زندگی
دستگیرِ کارواں شامِ رہِ منزل میں آ

ہو چکے ہیں طرز و اندازِ تپیدن مضمحل
برقِ احساسِ خودی خونِ رگِ بسمل میں آ
خوفِ انجامِ ستم سے ظلم بھی تھرّا اُٹھے
سطوتِ روزِ جزا اندیشۂ قاتل میں آ

مضطرب چنگاریوں کو رخصتِ پرواز دے
آگ برساتا ہوا افسردگیٔ دل میں آ
تا بکے بزم جہاں میں ماتم تخریبِ حال
جذبۂ تعمیرِ عالم فکرِ مستقبل میں آ
مقصدِ حسن وفا بن جائے ناکامیٔ شوق
اے شعور زندگی ہر سعیٔ مستقبل میں آ
جگمگا اٹھے جمالِ حق سے بزم کائنات
شمع طور عشق ظلمت خانۂ باطل میں آ
جراتِ رندانہ را بیدار کن در ذوقِ ما
تا کند تسخیر عالم اہتمامِ شوقِ ما

سمجھا تھا میں

اضطرابِ شوق کو تسکین جاں سمجھا تھا میں
دل کی دھڑکن کو نوید ناگہاں سمجھا تھا میں
وہ بھی موجِ رنگ و بو میں ایک موجِ برق تھی
جس کو عہدِ گل میں شاخِ آشیاں سمجھا تھا میں
چہچہا اٹھے ہیں وہ بھی سن کے ذکرِ فصلِ گل
جن اسیرانِ قفس کو بے زباں سمجھا تھا میں

بہوائے دار و رسن درآ

بنما تجلّیٔ صبح نو بہ حجاب سرو و سمن درآ
بگہے برق جلوۂ سرمدی بفضائے صحن چمن درآ
بفراز مرکز دل رسی ز حدِ مجاز تو بگزری
بگہہِ جنون خرد شکن بہوائے دار و رسن درآ
طلبی حیات خودی اگر دل و جان حوالۂ سوز کن
سر بزم عشق نفس مزن بطریقِ شمع لگن درآ
بشکن صراحی و جام را بگزار ساقی و میکدہ
بخوراز خوری تو ز جام دل بجدِ مذاق کہن درآ
ز فغانِ دل غم عشق را تو بدہ پیام خودی نما
بہ بساط محفل زندگی بکمالِ طرز سخن درآ
تو بسوئے خلد چہ بنگری بفراز طور چہ میروی
ہمہ نور عرش خدا ببیں بحریم صبح وطن درآ

سلام

زندگی میں پھر کوئی عزم جواں پیدا کرے
تہ سے ہر پستی کی اوجِ آسماں پیدا کرے

گلشنِ عالم پہ چھا جائے مثالِ رنگ و بُو
تنکے تنکے پر چمن کے آشیاں پیدا کرے

خونِ دل سے تشنہ لب ذرّوں کو دیکر تازگی
ہر بیابانِ جنوں سے گلستاں پیدا کرے

ہو مکمّل تبصرہ جو زندگیٔ عشق پر
اضطرابِ درد سے وہ داستاں پیدا کرے

دعوتِ ہر ناوکِ غم پر کہے لبیک جو
وہ جگر وہ دل بوقتِ امتحاں پیدا کرے

بخش دے روحِ وفا کو تشنگی کی لذتیں
صورتِ اصغرؑ ذرا سوکھی زباں پیدا کرے

موجِ خوں سے جسکی تھا فردوس اکبرؑ کا شباب
کوئی تو سینے پہ وہ زخمِ سناں پیدا کرے

کوئی اکڑے تو سہی نیزے پہ اور پھر جھوم کر
قاسمؑ و عباسؑ کی انگڑائیاں پیدا کرے

دشتِ غم میں ہو کوئی معجز نما مثلِ حسینؑ
خوں کے ہر قطرے سے گلزارِ جناں پیدا کرے

بیخودی ہے عالمِ دانش پہ تو چھائی ہوئی
عشق ہی پھر کوئی اپنا رازداں پیدا کرے

رہ گزارِ زندگی میں جو بعرفانِ خودی
اک حسینی کارواں سا کارواں پیدا کرے

اپنا مقام پیدا کر

مذاق درد سے سوز دوام پیدا کر
مثال شمع سر بزم نام پیدا کر

ترا سکوت مسلسل ہو ترجمانِ وفا
خموشیوں کی زباں پر کلام پیدا کر

حریف میکدہ عیش غمکدہ ہو ترا
سرشک غم سے مئے لالہ فام پیدا کر

شگفتگی پہ مذاقِ چمن ہے آمادہ
کلی کلی سے صراحی و جام پیدا کر

خود آ کے منزل مقصود چوم لیگی قدم
شکستہ پائی میں ذوقِ خرام پیدا کر

جو انقلاب کا ضامن ہے روزِ اوّل سے
اُٹھ اور وہ نفسِ ناتمام پیدا کر

ہے قید ذہن و نظر یہ جمالِ آزادی
فراغبال ہو جس میں وہ دام پیدا کر

ندیم جوہرِ اوّل ہے تو بفیض ازل
فرازِ عرش پہ اپنا مقام پیدا کر

اے ساقی

(۱)

فلک پر ہے کہاں روشن ہلالِ عید اے ساقی
یہ اک افسانۂ ماضی کی ہے تمہید اے ساقی
زمانہ آج کل ہے مائلِ تجدید اے ساقی
ہے مرہونِ ملامت مشربِ تقلید اے ساقی
جہاں میں لے رہی ہیں کروٹیں بیداریاں ہر سو
دلوں میں موجزن ہے جذبۂ تصعید اے ساقی
پرکھتی ہے نگاہِ عقل ہر تحریک فطرت کو
مذاقِ تازہ ہے گرویدۂ تنقید اے ساقی
اصولِ زندگی ماخوذ ہوں تہذیب مغرب سے
یہی ہے انقلابِ عصر کی تاکید اے ساقی
تفوق روح پر لازم ہے ذوق مادیت کا
کمالِ فلسفہ ہے عشق کی تردید اے ساقی

(۲)

نگاہِ عقل سے پوشیدہ لیکن یہ حقیقت ہے
بعنوان دگر ہے دعوئ تجدید اے ساقی
تجلّی کا گماں ہے اس لئے آثارِ ظلمت پر
کہ ہے بیگانۂ تمیز ذوقِ دید اے ساقی
ہزاروں بُت ہیں پنہاں پردۂ تاسیسِ ناقص میں
کمالِ آزری کا نام ہے توحید اے ساقی
فقط محدود جنسیات پروازِ تخیّل ہے
کہاں باقی ہے حسن و عشق کی تمجید اے ساقی
سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے فرقِ واجب و ممکن
مُسلّط علم پر ہے جہل کی تقلید اے ساقی
یہاں تک ہے موثر دانشِ افرنگ کا جادو
ہے فرضِ آدمیت مغربی تائید اے ساقی

(۳)

محبّت منتظر ہے پھر اُٹھا لے ساغر و مینا
ذرا گردش میں لا جامِ مئے توحید اے ساقی

توازن آشنا ہو جائے ذوق بادہ آشامی
ہو جاری پیرِ میخانہ کی پھر تقلید اے ساقی
کہاں ہے لا، وہ جامِ کہنہ وہ صہبائے دیرینہ
ترے لطف و کرم سے ہے بڑی امید اے ساقی
تنک تابی پر اپنی فخر بیجا ہے ستاروں کو
ذرا مینا سے چمکا دے رگِ خورشید اے ساقی
اُٹھے پردہ جہالت کا ہر اک چشم غلط بیں سے
جہاں میں عام ہو جائے تری تائید اے ساقی
حقیقت جان لے وہم غلط رجعت پسندی کی
بتا سب کو قدامت کیا ہے کیا تجدید اے ساقی
ہے کیا افراط کیا تفریط کیا حدِّ توسط ہے
ہر اک منزل پہ لازم ہے خط تحدید اے ساقی
بتا دے یہ بہر عنواں تو ہر اک جادہ پیما کو
حقیقی مستقر ہے منزلِ توحید اے ساقی
نمایاں کن ز تاریکی صباح جلوہ ساماں را
بدہ تابانی خورشید ذرّات پریشاں را

نویدِ مسیحا

(۱)

خزاں کا دَور دورہ ہر طرف تھا باغِ امکاں میں
بھڑک اٹھی تھی سرخی آگ بن کر گل کے داماں میں
تھے آثارِ فنا ظاہر چمن کے ذرّے ذرّے سے
ذرا باقی نہ تھا جوشِ نمو خاکِ گلستاں میں
نظر آتا نہ تھا کوئی مئے عرفاں کا متوالا
پڑے تھے سرنگوں جام و صراحی بزمِ رنداں میں
ہوئے تھے خاک مٹ کر حرّیت کے سرمدی جذبے
لگا دی تھی کسی نے آگ آزادی کے ایواں میں
گھٹا روحانیت پر چھا گئی تھی مادیت کی
غبار آگیں تھا احساسِ محبّت قلبِ انساں میں
نظر آتی تھی چاروں سمت تاریکی ہی تاریکی
نہاں تھا جلوۂ شمعِ ازل ظلمت کے داماں میں
قیامت آفریں تھے ہر طرف باطل کے ہنگامے
پھنسی تھی کشتیٔ حسنِ عمل طوفانِ عصیاں میں

یہاں تک غلبہ کثرت تھا احساساتِ وحدت پر
تصور بھی نہ تھا باقی خدا کا ذہنِ انساں میں
بالآخر حسن فطرت مسکرایا کوہ فاراں سے
خزاں کی شام بدلی جلوۂ صبح بہاراں سے

(۲)

خلیل اللہ کی آواز اٹھی خطبہ خواں ہوکر
نویدِ ابن مریم کان میں گونجی اذاں ہوکر
ہوا بے پردہ رنگ حسنِ یوسف نورجاں ہوکر
نکھر آئیں زلیخا کی تمنائیں جواں ہوکر
فضائیں گونج اٹھیں توحید حق کی ترجماں ہوکر
بتانِ دیر سجدے میں گرے تسبیح خواں ہوکر
شعاعیں پھوٹ نکلیں ناگہاں مہر نبوت کی
چمک اٹھی زمیں بطحا کی رشکِ آسماں ہوکر
ہوا معلوم منشا تھا جو کچھ تخلیق ہستی کا
کہ پھیلا رازِ عشق آخر کسی کی داستاں ہوکر
وہی رحمت کے بادل بن کے برسے باغ عالم میں
چمن پھونکا تھا جن شعلوں نے برق آشیاں ہوکر

چمن میں منھ دھلایا خفتہ دل غنچوں کا شبنم نے
بہار آئی فروغِ صبح و شام گلستاں ہو کر
ہوا ہر اک طرف عالم میں قانونِ وفا جاری
نوازا رحمتِ حق نے جہاں کو مہرباں ہو کر
حدیں علم و یقیں نے کیں مقرر نور و ظلمت کی
حقیقت کھل گئی ہر دل پہ مذہب کی سیاست کی

(۲۲)

سلام اے باعثِ تکوین قصر چرخ مینائی
جبیں گھستا ہے تیرے در پہ مرغِ طور سینائی
علوئے مرتبت کے دونوں عالم ہیں تماشائی
تجھے زیبا ہے بزمِ لامکاں کی مسند آرائی
سراپا نورِ یزداں ہے وجودِ محترم تیرا
جوابِ صبحِ جنت ہے ترے جلوؤں کی رعنائی
شعورِ زندگی بخشا ہے تو نے ذہنِ انساں کو
تیرا اعجاز ہے صد رشک اعجازِ مسیحائی
مہِ کنعاں ہے پروانہ تری شمعِ نبوت کا
یدِ بیضا ترے نورِ رسالت کا ہے شیدائی

ادھر بھی اک نظر اے چارہ فرمائے غم ہستی
بڑی مدت سے خستہ حال ہیں تیرے تمنائی

ہو دیوانوں کو پھر سودا طوافِ کوئے طیبہ کا
بھڑک اٹھے دلوں میں آتشِ شوق جبیں سائی

جو تو چاہے تو پھر اے ساقیٔ میخانۂ وحدت
حریفِ گردشِ دوراں ہو شغلِ بادہ پیمائی

وہ زورِ حیدری تو اپنے مستوں کو عطا کر دے
اُلٹ دیں قلعۂ خیبر جب اٹھیں لے کے انگڑائی

جلا دیں بجلیوں سے آہ کی باطل کے خرمن کو
بنا دیں رشکِ فردوسِ بریں ہستی کے دامن کو

تین شعر

امتحاں گاہ محبت میں نہ سمجھا کوئی — کیوں وفا کیش یہاں قابل تعزیر بنے
کچھ تو ہو میری تباہی کا انھیں بھی احساس — بات ایسی کوئی اے نالۂ شب گیر بنے
یوں تو دل اپنی جگہ دل ہے مگر جب یہ دل — خاک ہو جائے محبت میں تو اکسیر بنے

آزادی

کھلی کلیاں ہنسے گل جاگ اٹھی تقدیر آزادی
بہاریں دے گئیں پیغام عالمگیر آزادی

یہ گلبانگ عنادل تھی کہ تھی تقریر آزادی
چمن کا پتہ پتہ بن گیا تفسیر آزادی

کہاں لے جائیگا اے جذبۂ تاثیر آزادی
دو عالم کی حدیں طے کر چکا رہ گیر آزادی

یہیں کشتیٔ دل اے ناخدا غرقاب ہونے دے
نظر آتی ہے ہر موج رواں زنجیر آزادی

نہ تڑپا زیر تیغِ نازِ قاتل تا دمِ آخر
بڑھا دی ضبطِ بسمل نے بہت توقیر آزادی

جلایا سوزِ غم نے تا سحر سو رنگ سے پھر بھی
زبانِ شمع پر جاری رہی تقریرِ آزادی

قفس کیا اور قفس کی کائناتِ جبر ساماں کیا
مجھے کرنے تو دو اک نالۂ شبگیر آزادی

گری دیوار زنداں اڑ گئے ٹکڑے سلاسل کے
کیا کرتے ہیں دیوانے یونہی تدبیر آزادی

کوئی پروانۂ محفل سے پوچھے لذتیں اسکی
مآل زندگی ہے سوز دامنگیر آزادی

ہزاروں آفریں ہمت پر اس مرد گلستاں کی
جو کرتا ہے قفس میں بیٹھ کر تدبیر آزادی

جتانے جا رہے ہیں چند دوش اہلِ دُنیا پر
اسی کا نام ہے کیا حاصل تقدیر آزادی

ابھی موزوں نہیں اسکے لئے آئینہ جلوت
تصوّر ہی میں رہنے دے الم تصویر آزادی

شہیدِ اعظم

(۱)

آج اے اہلِ چمن نوحہ سرا ہوتا ہوں میں
گلشنِ ایجاد میں گرمِ نوا ہوتا ہوں میں

قوتِ غم پھر ہوں آمادہ دکھانے کیلئے
جاگتا ہوں خفتہ نالوں کو جگانے کے لئے

میرے نالے گو ہم آوازِ شکست ساز ہیں
شہپرِ جبریلؑ کے یہ پھر بھی ہم پرواز ہیں

آمد و رفتِ نفس ہے سربسر اخگر فروش
ہر فغاں شعلہ زا محشر چکاں طوفاں بدوش

مثلِ طوفاں بڑھ رہا ہے سیلِ غم کا جوش آج
صورِ شیون زا ہے ہر اک نالۂ خاموش آج

یوں تو ہوں اے ہمنوا مدت سے برباد چمن
ہے مگر قائم مری ہستی سے بنیادِ چمن

ناشناسائے خودی ہے گریہ سامانی تری
دشمنِ ضبطِ جنوں ہے چاک دامانی تری

کر دیا غیروں کو تو نے واقفِ رازِ چمن
نالۂ رسوا ہے تیرا خود ہی غمازِ چمن

تیرے ہی نغموں کی زائیدہ تھی وہ برقِ تپاں
جس نے پھونکی ہے چمن میں تیری شاخِ آشیاں

تو جمود افروزِ عالم میں ہے پابندِ ہوس
ہے تمنا زادِ ہستی میں ترا ہر اک نفس

ذہن و دل پر ہے ترے افسردگی چھائی ہوئی
ہے گلستاں کی ترے غافل ہوا اکھڑی ہوئی

آ بقا کے راز کو اہلِ فنا سے سیکھ لیں
مر کے جی جانا شہیدِ کربلا سے سیکھ لیں

وہ شہیدِ ناز وہ رمز آشنائے زندگی
جس نے دی خونِ وفا سے عشق کو تابندگی

جو ازل سے تشنۂ آبِ دمِ شمشیر تھا
جس کو عیشِ سرمدی ہر زخمِ نوکِ تیر تھا

زندگانی جسکی تھی شرحِ کتابِ کائنات
موت سے جسکی ہوئی بیدار تقدیرِ حیات

کسقدر ماہر تھا جبرِ عشق کی تفسیر کا
خود فسانہ بن گیا ہر سرخی تقدیر کا

منکشف تھے جس پہ سب تخلیقِ انسانی کے راز
تھا فنا کی اور بقا کی منزلوں سے بے نیاز

جس کا اک نالہ تھا ہر منزل میں آوازِ درا
جس نے ہر گم کردہ منزل کو بتایا راستا

یوں اٹھایا اس نے رخ سے حق و باطل کے نقاب
دیکھنے والوں نے دیکھی ہر حقیقت بے حجاب

آ دکھاؤں میں تجھے اس شیرِ حق کی جراتیں
جس کے آگے پست ہیں باطل کی ساری قوتیں

دیکھ یہ ہے سرزمینِ نینوا اور یہ حسینؑ
یعنی احمدؐ کا نواسا فاطمہؓ کا نورِ عین

اور وہ ہے دشمنانِ دین کی فوج گراں
جلوہ گر ہیں جسمیں لاکھوں برقِ دمِ تیغ و سناں

ظلمتِ طغیاں اثر ہے ہر طرف چھائی ہوئی
اک قیامت ہے میانِ کربلا آئی ہوئی

پنجہ زن ہیں وادیٔ آفت میں انوار و ظلم
اک طرف بادِ حوادث اک طرف شمعِ حرم

اک طرف دودِ خزاں کے حملہ ہائے نابکار
اک طرف گلہائے گلزارِ امامت کی بہار

پست ہو اسلام یہ خواہش ہے ہر بے دین کی
اے جزاک اللہ زور و قوت ابنِ علیؓ

جرأت باطل کو یوں دکھلا دیا حق کا کمال
دینِ احمدؐ کو تباہی سے بچایا بال بال

السلام اے ساقیٔ کوثر کے پیارے السّلام
السلام اے دیدۂ زہراؓ کے تارے السلام

گرچہ زخموں سے بنا ہے جسمِ اطہر لالہ زار
ہل نہیں سکتا ہے لیکن تیرا پائے استوار

راہِ حق میں اس طرح دیتے ہیں جاں اہلِ وفا
سیکھ لے تجھ سے کوئی آئینِ تسلیم و رضا

ہے گریباں چاک ماتم میں ترے روح الامیں
تیرے غم سے آجتک لرزش میں ہے عرشِ بریں

تا قیامت تیری قربانی رہے گی یادگار
فخر تیری ذات پر کرتا ہے اسلامی وقار

اس گلستاں میں نہ آئے گی خزاں اب نام کو
تو نے سینچا ہے لہو سے گلشنِ اسلام کو

ذہنِ ہستی میں کیا برپا اک ایسا انقلاب
زندگی خود ہوگئی باطل کے حملوں کا جواب

جو تیرے عزمِ خودی پرور پہ رکھتا ہے نظر
سامنے آتا ہے وہ باطل کے سینہ تان کر

دعوتِ باطل کے ہنگاموں سے ڈرتا ہی نہیں
موت کی یا زیست کی پروا کبھی کرتا نہیں

پیار کرتا ہے لپٹ کر حلقۂ زنجیر کو
چوم لیتا ہے لبِ زخمِ جگر سے تیر کو

ترکِ آرزو

کشتیٔ دل بہ موجِ فنا خود رسانده ایم
اے ناخدا ز جبرِ تو مجبور مانده ایم

بگرفته درسِ ہوش ز عرفانِ بیخودی
زورِ خمارِ بادۂ ہستی نشانده ایم

گوئید مرحبا بہ نہاں خانۂ ازل
دامان و آستیں ز دو عالم فشانده ایم

ما ایم بر منازلِ خود فائز المرام
از کارواں اگرچہ بسے دور مانده ایم

رقصیم صبح و شام بہرِ وادیٔ جنوں
از دستِ عقل دامنِ دل وارہانده ایم

یعنی بقولِ حضرت "صائب" دریں چمن
"از بال و پر غبارِ تمنا فشانده ایم

بر شاخِ گل گراں نبود آشیانِ ما"

جرعہ

اک تشنۂ مے کی بھی دعا لے ساقی
دے مجھ کو بھی دو چار پیالے ساقی
جس خاک پہ ٹپکائے تھے تو نے قطرے
اس خاک سے آج اگتے ہیں لالے ساقی

استدراک

دورِ خزاں کہ مژدہ تسکیں بیاورد
بہ زاں بہارِ گل کہ بدل خارِ شکند

ہجر یکہ تا بوصل رساند مریض را
زاں وصل بہتر است کہ ہجرش بپرورد

عیشِ نظر نواز کہ مستی دہد بہ ہوش
سرمایۂ تمدن و تہذیب می برد

ہشیار زاں نگاہ کہ دارد سرِ وفا
ایمانِ تو بجلوۂ باطل ہمی خرد

آں زلف مشکبو کہ فزاید شمیم گل
دامِ فریب بہر دل و جاں بگسترد

ہر جلوۂ کہ حُسن نماید بہ چشم تو
سُوئے تباہیٔ نظر و دل ترا کشد

صائب بحکم علم و نظر خوب گفتہ است
"جمعیتے کہ تفرقہ خاطر آورد

در چشم من بخواب پریشاں برابر است"

تقدیر پیدا کر

غمِ ناکامیٔ تدبیر سے تقدیر پیدا کر
وجودِ شامِ غم سے صبح کی تنویر پیدا کر

دکھادے ذوقِ نظارہ کی تاثیریں دو عالم کو
ہر اک ذرّے سے حسنِ یار کی تصویر پیدا کر

کبھی جو ذمہ دار انقلاب ہر دو عالم تھی
زباں میں اپنی پھر وہ قوّت تقریر پیدا کر

زمیں سے تا فلک ہر چیز ہو تیرے تصرّف میں
جہادِ زندگی میں فتح عالمگیر پیدا کر

آ

کیف برساتا ہوا ہستی کے میخانے میں آ
ساغرِ مہتاب میں آ گل کے پیمانے میں آ

پھر نئے سر سے ہو تازہ قصّۂ طور و کلیم
صبح کے جلوؤں کی تابانی کے افسانے میں آ

مضطرب ہیں جذبۂ تعمیرِ نو سے روز و شب
از سرِ نو عشق کے برباد کاشانے میں آ

آ اٹھا دے امتیازِ دشت و گلشن کا حجاب
وحشتوں کا راز بن کر اپنے دیوانے میں آ

پہلوئے ہر ذرہ سے پیدا ہوں لاکھوں گلستاں
خالقِ رنگینیٔ کونین ویرانے میں آ

تیرے دیوانوں میں جاگ اٹھے شبابِ آرزو
نالۂ زنجیر کی صورت جنوں خانے میں آ

ذوقِ الفت چاہتا ہے پھر نئی اک زندگی
بن کے اعجاز مسیحا دل کے افسانے میں آ

زہد کی آگاہیاں ہو جائیں نذرِ بیخودی
اے شعورِ زندگی تسبیح کے دانے میں آ

واقفِ اسرارِ وحدت تا ہوں افرادِ جہاں
بے حجابانہ خدائی کے جلو خانے میں آ

اے مسلمان آ

اے مسلماں یوں گریباں چاک اور وقفِ ملال
جا رہا ہے کس طرف آزردہ و افسردہ حال

تیری آوازِ حزیں اک نوحۂ غمناک ہے
خارزارِ دشتِ غم تیرا دلِ صد چاک ہے

ہر نگہ حسرت زدہ ہر اک قدم پر لغزشیں
ترجمانِ دردِ دل ہیں مضمحل سی جنبشیں

آنکھ میں آنسو کہ آغشتہ بخوں پیمانہ ہے
گریۂ زخمِ جگر کا یا کوئی افسانہ ہے

داستانِ غم سنا دے کس لئے خاموش ہے
کیوں ہجومِ حسرتِ حرماں سے ہم آغوش ہے

جانتا ہوں میں سبب اس پائمالی کا تری
آ بتا دوں تجھ کو درماں خستہ حالی کا تری

آ تجھے میں تیرے گلزارِ کہن میں لے چلوں
بھول بیٹھا ہے جسے اس انجمن میں لے چلوں

جس کا ہر جلوہ ہے صد رشکِ جمالِ آفتاب
رقص کرتا ہے فضا میں جس کی تاروں کا شباب

جس کی رنگینی سے شرمندہ ہے فردوسِ بریں
جس کا رضواں ہے ازل سے طائرِ سدرہ نشیں

ہیں سراسر جس کے غنچے عقدِ پرویں کا جواب
جس کے پھولوں سے ٹپکتی ہے محبت کی شراب

طوف کرتا ہے فلک جس کی تجلی گاہ کا
جس کے ذروں پر گماں ہوتا ہے مہر و ماہ کا

مست ہے ساری فضا تسبیح سے تہلیل سے
موجِ کوثر کی نزاوش ہے لبِ جبریلؑ سے

سامنے ہے دیکھ ایوانِ نبوت جلوہ گر
بارشِ انوار رہتی ہے یہاں شام و سحر

جسکے اوج معرفت سے پست چرخِ اخضری
وقفِ سجدہ ہے یہاں شان و شکوہ قیصری

یہ زمیں کا عرش ہے وحدت کی خلوت گاہ ہے
با ادب ہو سر جھکا بزمِ رسول اللہ ہے

پوچھ لے جو پوچھنا ہے اب نہ تو مغموم ہو
تا کہ تجھ کو اپنی پستی کا سبب معلوم ہو

دیکھ ہے موجود ہر اک درد کا درماں یہاں
مرجعِ تسکین دو عالم ہے یہ دار الاماں

سُن توجہ سے ذرا اور کھول گوشِ التفات
تجھ سے کچھ فرما رہے ہیں بادشاہِ کائنات

ایکم تو بحرِ حقیقت کا دُرِ نایاب تھا
تیرا سینہ مخزنِ آیاتِ فتح الباب تھا

ہر عمل مشکور تیرا ہر ارادہ کامیاب
تیری ٹھوکر سے تھا وابستہ وجودِ انقلاب

اپنے مرکز سے مگر اب تجھ کو نفرت ہو گئی
اُف بجائے گلستاں کانٹوں سے اُلفت ہو گئی

اب نشاطِ درد کی لذّت سے بیگانہ ہے تو
شمعِ افسردہ کی خاموشی کا پروانہ ہے تو

آشنائے گرمیٔ اُلفت مزاجِ دل نہیں
ایک بھی نالہ ترا برہم کنِ محفل نہیں

کاروانِ شوقِ دل بیگانۂ منزل ہے کیوں
غافلِ سوزِ جگر پروانۂ محفل ہے کیوں

قطرۂ ناچیز کا محتاج دریا ہو گیا
کیوں ترا جوشِ جنوں پابندِ صحرا ہو گیا

سخت حیرت ہے مجھے اس انقلابِ ذوق سے
اتنی بیگانہ وشی آئینِ بزمِ شوق سے

ہے ترا مسجود سنگِ آستانِ اغیار کا
اب تصور ہیں ترے رہتا ہے ہر دم بتکدا

گم نگاہوں سے نشانِ جادۂ منزل نہ ہو
قیس کی آنکھوں سے پنہاں پردۂ محمل نہ ہو

ذوقِ غم نا آشنائے دل نہ ہو جائے کہیں
ناخدا بیگانۂ ساحل نہ ہو جائے کہیں

کیوں نوائے ساز بیگانہ کا ہم آواز ہے
نغمۂ بے وقت آہنگِ شکستِ ساز ہے

منکشف تجھ پر نہیں ہیں شاید اسرارِ چمن
ہیں شریکِ سازشِ صیّاد سب سرو و سمن

کون ہے گلشن میں جو دل سے ترا ہمراز ہے
رنگِ گل ہے فتنہ زا بوئے چمن غمّاز ہے

تجھ کو قرآں نے سکھایا تھا یہ رازِ زندگی
یک دلی سے نغمہ زن ہوتا ہے سازِ زندگی

اتحادِ باہمی ہے وہ حصارِ استوار
جسکی عظمت سے ہے شرمندہ وقارِ کوہسار

ہے بڑی دولت جہاں میں قوتِ علم و عمل
روح کو ملتا ہے اس سے اقتدارِ بر محل

جو کہ مد و جزرِ ہستی کا شناور ہے یہاں
زندگی کے راز سربستہ ہیں سب اس پر عیاں

جس کا ذہنِ صاف ہے آگاہ رمزِ ارتقا
وہ ہم آغوشِ بقا رہتا ہے بعد ہر فنا

حرّیت آموز ہے جس کا نظامِ زندگی
عرش سے اونچا ہے کچھ اس کا مقامِ زندگی

اِن حقائق سے تجھے بالکل نہیں ہے آگہی
تیرے ہر منزل میں ہیں رہبر علومِ مغربی

ہوش میں آ یوں بھی ہوتا ہے کوئی باطل سے پست
زورِ حق سے دے حریفِ زندگانی کو شکست

دور کر انسانیت سے جذبۂ ناپاک کو
برقِ عالم سوز بن کر پھونک دے خاشاک کو

پھر زمانے کو دکھا دینِ الٰہی کا کمال
فقر کی معراجِ سلطانی کا آئینِ جلال

مست کر دے دو جہاں کو نغمۂ توحید سے — سوزِ محفل چھین کر لا بربطِ ناہید سے
ضربِ الا اللہ میں پنہاں ہے اسلامی نمود — سایۂ مذہب میں پلتا ہے ترا قومی وجود
اس سے بڑھ کر اور اہلِ دیں کی بربادی نہیں — ترکِ مذہب سے جو حاصل ہو وہ آزادی نہیں

تا نہ گوید کس ترا اندر جہاں انت الغلام
قوتِ تکمیلِ مذہب را فزوں کن صبح و شام

دعوتِ سوز

دعوتِ سوزِ محبت ہے ہر آواز مجھے — پھونک ڈالے گا الم نغمۂ ہر ساز مجھے
فرقِ صبحِ چمن و شامِ قفس میں کیا ہے — یہ سمجھنے دے ابھی قوتِ پرواز مجھے
اپنی تخلیق کے منشا کو سمجھتا ہوں میں — ذرے ذرے کو بتانا ہے کوئی راز مجھے
دعوتِ عیش بھی دیتی ہے پیامِ غم بھی — اک اشارے میں نگاہِ غلط انداز مجھے
صرف میں دیر و حرم کی نہیں سنتا ہوں صدا — اُن کی محفل سے بھی آتی ہے اک آواز مجھے

جس کو دیکھا وہی بیگانۂ دردِ دل تھا
نہ ملا کوئی الم دہر میں ہمراز مجھے

چاند اور شاعر

چاند

ایکہ ماحول اب ترا عبرت کے قابل ہو گیا — تو سراپا عالم فانی کا حاصل ہو گیا
پہلے تیرا درس تھا عرفان آموز حیات — اب سمجھنا خود تری ہستی کا مشکل ہو گیا
پہلے تو تھا جادۂ ہستی میں میر کارواں — اور اب واماندۂ رفتار منزل ہو گیا
اب نہ وہ نغمے نہ وہ جلسے نہ وہ رنگینیاں — دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگِ محفل ہو گیا
تو نے کیوں تنظیم عالم سے کنارہ کر لیا — خود بخود مجبور خلوت کیوں ترا دل ہو گیا
تیری بیداری سے ہے بیدار ساری کائنات — پھر قیامت ہے اگر تو اس سے غافل ہو گیا
تجھ کو دیکھا سر بجیب فکر آزردہ نشیں — اس لئے تیری طرف میں آج مائل ہو گیا

خیز و عالم را ز فکرت از سر نو تازہ کن
قوت ذہنِ رسا را از عمل اندازہ کن

شاعر

خامشی بے وجہ میری اے مہ کامل نہیں — ہے حقیقت یہ کہ اب محفل مری محفل نہیں
میں کسے پیغام منزل دوں کہاں ہے کارواں — رہبری کس کی کروں جب رہبر منزل نہیں

میں کہ ہوں سر در گریباں آج فکر قوم سے
جلوت عشرت کی جانب دل مرا مائل نہیں

عقل کہتی ہے کہ اب ہے غیر ممکن انقلاب
ذہن کہتا ہے جو میں چاہوں تو کچھ مشکل نہیں

ایک ہی نغمے میں ہو بیتاب ساری کائنات
ہے حقیقت آشنا نغمہ مرا باطل نہیں

قوم ہو غفلت میں اور میں نغمہ افشانی کروں
اسقدر ارزاں متاع سعئ مستقبل نہیں

اہلیت دیکھوں تو اپنا خون بھی پانی کروں
ورنہ اک آواز بے معنی سے کچھ حاصل نہیں

ہیچ اندر محفلم ہشیار و اندر کار نیست
جامہا دارم بکف اما کسے میخوار نیست

حدیث حیات

ہوئی ہے منزل عنقا میں یوں گم داستاں میری
کہ مجھکو ڈھونڈتی پھرتی ہے عمر جاوداں میری

فنا ہو یا بقا ہر دم ہیں دونوں ہمعناں میری
حیات جاوداں میری ہے مرگ ناگہاں میری

میں ہوں وہ طائر قدسی گلستان ہویت کا
پر جبریل پر لکھی ہوئی ہے داستاں میری

مری تاویل سے کھلتے ہیں عقدے راز ہستی کے
کہ ہے استاد عقل کل زبان نکتہ داں میری

میں جب طوفان غم میں کشتئ دل کا محافظ تھا
بنی تھی جودئ رحمت روان ناتواں میری

نہ تھا جبریل بھی اس راز سے واقف شب اسریٰ
حریم ناز میں پھیلی ہوئی تھی داستاں میری

مری عظمت مری رفعت مسلم ہے زمانے میں
حقیقت ہے الم مہر نبوت سے عیاں میری

فرقہ پرستی

ایک حدیث کی شاعرانہ تفسیر

ایک دن صاحب قرآں نے حذیفہؓ سے کہا
یاد رکھنا یہ وصیت مری اے مشفق من

جب مسلمان شقاوت کا نشانہ بن جائیں
اور پا جائے رواج ان میں عداوت کا چلن

ان میں باقی نہ رہے رسم اخوت کا نشاں
ایک کا ایک سراسر بنے جانی دشمن

غالب آجائے دلوں پر اثر بغض و نفاق
بھائی سے بھائی ہو اور باپ سے بیٹا بدظن

وحشیانہ ہوں چلن ان کے درندوں کی طرح
خون کا ایک کے ہو ایک پیاسا ہمہ تن

فرقہ بندی سے کسی وقت نہ فرصت ہو انہیں
ان کے گھر گھر میں رہے روز نرالی ان بن

سب کا مذہب ہو جدا سب کا عقیدہ ہو جدا
یعنی ہوں قافلۂ وحدت دیں کے رہزن

نئے قانون بنیں اور نئی انجمنیں
نظم اسلام پہ ہونے لگیں سب قہقہہ زن

ہوں جوانان چمن ایسے دلیر و گستاخ
گرم تنقید ہو لالہ پہ زبانِ سوسن

زلف سنبل پہ کرے شاخ سمن طعنہ زنی
چشم بلبل میں کھٹکنے لگے گُل کا جوبن

بدعتیں ہونے لگیں جب یہی ہر صبح و مسا
راز غنچوں کا کرے فاش نسیم گلشن

یہ بد آموزیِ اخلاق کا عالم ہو جائے
غنچہ کہنے لگے سوسن کو زبانِ الکن

نرم لہجے میں بھی پنہاں ہو زبان خنجر
موج شبنم سے لگے کٹنے گلوں کی گردن

ظلم و عدوان کا مرکز ہو ہر اک ذرّہ باغ
خون بلبل سے ہو رنگین فضائے گلشن

اہل حق کے لئے لازم ہے حذیفہؓ اسوقت
ہو جدا فرقہ پرستوں سے بطرزِ احسن

دفعتہً کر کے یہ اعلان علیحٰدہ ہو جائے
میں مسلمان ہوں ہرگز نہیں حامئ فتن

آفتیں سر پہ جو آئیں انھیں برداشت کرے
سختیاں جھیل کے اس راہ میں مرنا احسن

انچہ گفتم بتو آں بر ورق دل بہ نگار
بہتر از فرقہ پرستی بہ مصیبت مرزن

موسم آگیا

مطرب رنگیں نوا گانے کا موسم آگیا
ساز اٹھالے سوز برسانے کا موسم آگیا

وہ ہوئی جھنکار پیدا تار ساز عشق میں
روح میں نغمے بکھر جانے کا موسم آگیا

ذرے ذرے سے نمایاں ہے جمال معنوی
طور کے جلوؤں میں گھر جانے کا موسم آگیا

خود بخود اٹھتی ہیں لہریں سی دلِ پرشوق میں
حسن کے بے پردہ ہو جانے کا موسم آگیا

باہر آ بھی جاؤ پردے میں چھپے بیٹھے ہو کیوں
آپ کے تشریف فرمانے کا موسم آگیا

اقتدائے مرکز

شاعرِ فطرت ہوں جب گرمِ نوا ہوتا ہوں میں
ملہمِ غیبی کے ہونٹوں کی صدا ہوتا ہوں میں

قوتِ تخلیق سے جب کام لیتا ہوں کبھی
ذرے ذرے کو بنا دیتا ہوں شمعِ خاوری

بخش دیتا ہوں چراغِ مُردہ کو تابندگی
خاکِ پروانے کو دیتا ہوں نویدِ زندگی

بھول جب ہوتا ہے احساسِ وفا سے بے نیاز
نالۂ بلبل کو سمجھاتا ہوں رمزِ سوز و ساز

عین حق باطل شکن ہوتا ہے میرا ہر کلام
روحِ انسانی کو دیتا ہوں حقیقت کا پیام

ایکہ تو شیدائے تقلید غلط انجام ہے
تیری خدمت میں یہ میرا مختصر پیغام ہے

دیکھ ہر ذرے سے لے کر تا مقامِ آفتاب
تجھ کو آئے گا نظر اک انتظامِ کامیاب

دستِ فطرت کارفرما ہے باندازِ سلیم
اپنے مرکز پر نظر آتا ہے عالم مستقیم

باعثِ ترتیبِ گلشن ہے جو حسنِ انتظام
منحصر ہے بزمِ انجم کا اسی پر احتشام

ہے اسی صورت سے بالکل نظمِ اقوامِ جہاں
منضبط اپنے مراکز سے ہیں افرادِ زماں

کعبۂ وحدت سے تو کیوں اپنے غافل ہو گیا
قبلۂ باطل کی تزویروں پہ مائل ہو گیا

بے خبر ہے مستقر تیرا تو بنیادی نظام
جس کے پروردہ ہیں یہ سب جلوہ ہائے صبح و شام

کیا تجھے تقدیرِ فطرت سے نہیں ہے آگہی
باعثِ تسکینِ جاں ہے اقتدائے مرکزی

شاخ سے ہو کر جدا گرتا ہے جو برگِ چمن
حملۂ صرصر سے ہو جاتا ہے آوارہ وطن

کیا ملے گی آبرو اس قطرۂ ناچیز کو
بحرِ ہستی میں جو آغوشِ صدف سے دور ہو

ہے شگفتِ گل میں پنہاں مستیٔ بلبل کا راز
بربطِ ہستی کا نغمہ ہے رہینِ سوز و ساز

مقتدی کو منضبط رکھتی ہے تقلیدِ امام
رشتۂ تسبیح سے قائم ہے دانوں کا نظام

تجھ سے کہتا ہوں بُرا ہے عقل و دانائی سے بَیر
اپنے مرکز کی طرف آ چھوڑ دے تقلیدِ غیر

بے نیازِ اصل ہو کر دہر میں رسوا نہ ہو
زادۂ توحید ہو کر غیر کا شیدا نہ ہو

کیا جانے

خدا جانے وہ کیا تھا اور کلیمِ طور کیا سمجھے
فریبِ جلوہ کو ہر طالبِ دیدار کیا جانے

تصوّر میں کسی سے ہر گھڑی رہتی ہے سرگوشی
خموشی کے مزے دیوانۂ گفتار کیا جانے

سمجھ کر آبلہ کیوں چھیڑتا ہے نوکِ نشتر سے
یہ دل ہے تو اسے چارہ گرِ بیمار کیا جانے

گمانِ میکدہ ہے اے الم صحنِ گلستاں پر
یہ ہر سُو کون ہے جام و سبو بردار کیا جانے

پروانہ

(۱)

عرشِ حیاتِ عشق کا اختر شعلہ گیں ہے تو
سازِ نوائے درد پہ نغمۂ آتشیں ہے تو
منزلِ حُسن کے قریب سالکِ جلوہ بیں ہے تو
چشمِ جہانِ شوق میں قابلِ آفریں ہے تو
شمع کی لَو پہ دمبدم رقص یہ تیرا الحذر
ضبطِ وفا کو فخر ہو کیوں نہ ترے وجود پر

(۲)

گرچہ ہے نالۂ حزیں وردِ زبانِ عندلیب
قمری ہے شاخِ سرو پر صحنِ چمن میں غم نصیب
سمتِ قمر ہے کبک کا شوقِ صعود بھی عجیب
موجِ رواں ہے مضطرب ساحلِ بحر کے قریب
تیرا یہ وجد و رقصِ غم شعلوں کی گود میں مگر
آپ ہی اپنا ہے جواب شام سے لے کے تا سحر

(۳)

تیرا جمالِ سوز ہے تاروں میں روشنی نہیں
تیرے جنوں کا ہے سکوت پھولوں میں خامشی نہیں
تیری وفا ہے ضوفروش تابشیں مہر کی نہیں
تیرا مذاق درد ہے برق میں تھرتھری نہیں
بیخود جلوۂ ازل کیوں نہ ہو تیری ہر نظر
مثلِ کلیم عشق میں ہے شمع کے طور حسن پر

(۴)

حاصل سوز ہے اگر تیرا کمال زندگی
میرا جگر بھی آشنا ذوق تپش سے ہے ابھی
داد طلب ہے شمع سے تیرا شعور بیخودی
میری خودی کو ہے مگر راز بقا سے آگہی
آ دل کائنات کو ذوق الم نواز دیں
"بزم کو مثل شمع بزم حاصل سوز و ساز دیں"

داستانِ قفس

کانپ جاتے ہیں ابھی در و دیوار قفس / کروٹیں لیتا ہے جس دم کوئی بیمار قفس
بے پر و بال پڑا ہوں پس دیوار قفس / یوں بھی آزاد نہ ہو کوئی گرفتار قفس
اشک خونیں سے ہے گلزار ہر اک تار قفس / میں گرفتار چمن ہوں کہ گرفتار قفس
جب سے صیاد نے دہرائے ہیں اذکار قفس / ذرہ ذرہ ہے گلستاں کا پرستار قفس
زندگی بھر رہا مدہوش گرفتار قفس / مستقل کیف ہے اک لذت آزار قفس
انتہا یاس کی ہے کتنی شگفتہ کہ مجھے / صبح گلشن نظر آتی ہے شب تار قفس
اس پہ قربان ہوئے جاتے ہیں مرغان چمن / قابل دید ہے یہ گرمیِ بازار قفس
ہوں نہ پابند خرد اور نہ گرفتار جنوں / میں سزاوار چمن ہوں نہ سزاوار قفس
لے اڑا اس کو بہاروں میں کوئی سوئے چمن / دیکھتا رہ گیا حیرت سے نگہدار قفس
گلشن دہر میں کیا ذکر ہے آزادی کا / پردۂ ہر رگِ گل میں ہے نہاں تار قفس

اے الم عہد اسیری ہو کہ آزادی ہو
ہمت آموز ہے ہر حال میں دیدار قفس

بُلبل وگُل

بُلبل[1] یہ چہک کے گُل سے بولی — فردوس ہے تو رنگ و بو کی
میں نے بھی وہ طرز نغمہ پائی — جس نے کہ چمن کو زندگی دی

یہ بادِ سحر یہ خوشنما اوس
ہیں دم سے ہمارے آسماں بوس

مِل جاتی جو عمرِ جاودانی — ہم رہتے بعشرت دوامی
کچھ اور فضا چمن کی ہوتی — آتی نہ یہاں خزاں کی باری

آتا نہ قفس بدوش صیّاد
ہوتی ہم پر نہ کوئی بیداد

خطرے ہر سو بچھے ہوئے ہیں — ہر سمت سے ہم گھرے ہوئے ہیں
دھڑکے بھی کئی لگے ہوئے ہیں — تصویرِ الم بنے ہوئے ہیں

گلچیں کا کبھی ہے ڈر خزاں کا
غم ہے آرام بھی یہاں کا

---

[1] مشترک ہے اس لئے میں مذکر بھی لکھتا ہوں اور مونث بھی ـــــ الم

بلبل کی سُنی جو گل نے تقریر
بولا کہ فضول ہے تو دلگیر
مجھ پر ہے کھُلا یہ رازِ تقدیر
تخریب یہاں ہے وجہِ تعمیر
جتنے ہیں یہاں خزاں کے عنواں
دامن میں لئے ہیں بلاغ رضواں

آرزو

ڈوبی ہے خونِ دل میں ہر دل کی آرزو
طوفاں سے ہمکنار ہے ساحل کی آرزو
تاکے فشارِ ضبطِ محبت کہ آنکھ سے
بن کر لہو ٹپکنے لگی دل کی آرزو
ہونے دے بحرِ عشق میں موجوں سے ہمکنار
اے ناخدا مجھے نہیں ساحل کی آرزو
حدِ تعینات سے آگے نکل گیا
لے جائیگی کہاں مجھے منزل کی آرزو
دل کو نہ کر ہلاک نمودِ بہارِ گل
اچھی نہیں ہے جلوۂ باطل کی آرزو
طوفاں کو بھی بتائے کوئی رازِ خامشی
مدت سے ہے یہی اب ساحل کی آرزو

آثارِ چمن

فصلِ گل آئی شگفتہ ہوئے آثارِ چمن
وہ اٹھا جھوم کے پھر ابرِ گہر بارِ چمن

آتش افروز ہے ہر جلوۂ گلبارِ چمن
باغ کو پھونک نہ دے گرمیِ بازارِ چمن

چشمِ ظاہر سے ہیں پوشیدہ یہ اسرارِ چمن
خامشی پھولوں کی ہے شوخیِ گفتارِ چمن

دھیان اس کا رہے اے مرغِ سحر وقتِ فغاں
ہو نہ جائے تری فریاد گراں بارِ چمن

کتنا اندھیر ہے یہ عہد میں تیرے صیّاد
ہیں سزاوارِ قفس تھے جو سزاوارِ چمن

چھوٹ جائینگے اسیرانِ قفس تو اک دن
ہو نہیں سکتے ہیں آزاد گرفتارِ چمن

دیکھیئے کون گرفتارِ بلا ہوتا ہے
آج رکھا ہے قفس اک سرِ دیوارِ چمن

جلوۂ طور ہویدا ہے ہر اک ذرّے سے
چاندنی رات میں دیکھے کوئی انوارِ چمن

اشکِ خونیں کی یہ گلکاریاں اللہ اللہ
ہے قفس میں بھی میسّر مجھے دیدارِ چمن

پھوٹ نکلا در و دیوار سے خونِ ناحق
نظر آنے لگے زنداں میں بھی آثارِ چمن

کیوں تنفّر ہے خدا جانے اَلَم سے ان کو
بارِ خاطر نہیں جب گل کے لئے خارِ چمن

لیلۃُ القدر

فردوس ہے یا محفل پر نور جہاں کی
تاروں میں جھلکتی ہے ضیا برق تپاں کی
یہ لعل و گہر ریز جبیں کاہکشاں کی
یہ بارشِ تنویر مہ نور فشاں کی
ہے مائدۂ تجلی رخِ حورانِ جناں کی
ہر رات شبِ قدر ہے ماہ رمضاں کی

جتنے بھی ہیں سب عرش کے قندیل ہیں روشن
وابستۂ صد جلوہ ہے فردوس کا دامن
کاشانۂ انوار ہے جبریلؑ کا مسکن
ہر ایک شجر ہے شجرِ وادیٔ ایمن
لبریز تجلّی ہے فضا کون و مکاں کی
ہر رات شبِ قدر ہے ماہ رمضاں کی

خورشید منوّر ہے کہ ہر ذرۂ صحرا
قطروں کے جگر میں ہے رواں نور کا دریا
ہر پھول میں ہر غنچے میں ہے طور کا جلوا
ہر باغ میں ہے وادیٔ ایمن کا تماشا
ہے مرگ زدہ قسمتِ خوابیدہ خزاں کی
ہر رات شبِ قدر ہے ماہِ رمضاں کی

ڈوبی ہوئی تاثیر محبت میں زباں ہے
ہر لہجہ سے روحانیت قدس عیاں ہے
تکبیر موذن میں عجب کیف نہاں ہے
توحید کے نغموں کی صدا بانگ اذاں ہے

دمساز یہی ہے مرے سازِ رگ جاں کی
ہر رات شب قدر ہے ماہ رمضاں کی

قرآں کی تلاوت کا مساجد ہیں یہ عالم — تسبیح بھی تہلیل بھی تکبیر بھی ہر دم
رہ رہ کے فضا مست ہوئی جاتی ہے پیہم — ملہم سے نہیں قاریٔ و حافظ کی صدا کم
اٹھتی نہیں سجدے سے جبیں پیر و جواں کی
ہر رات شب قدر ہے ماہ رمضاں کی

ہر سمت سے آوازِ ہُو اللہ اٹھی ہے — رقصاں ہے فلک اور زمیں جھوم رہی ہے
طوفاں کا تموّج نہیں یہ ذکرِ جلی ہے — پیشانیٔ ساحل بھی تو سجدے میں جھکی ہے
مستی سی ہے رفتار میں دریائے رواں کی
ہر رات شب قدر ہے ماہِ رمضاں کی

سمجھے وہ سمجھنی ہے جسے رمز شریعت — بے پردہ ہے توحید کی در پردہ حقیقت
آتے ہیں نظر دشت و جبل محو عبادت — دانا ہے اگر کھول ذرا چشمِ بصیرت
پیری نہیں چلتی ہے یہاں وہم و گماں کی
ہر رات شب قدر ہے ماہ رمضاں کی

الفاظ کی بندش ہے کہ شیرازۂ دوراں — لفظوں کی نشستوں پہ فدا مرکزِ امکاں
سطریں ہیں الم کوثر و تسنیم کا طوفاں — ہر شعر معطر ہے کہ موج مئے عرفاں
یہ شوخیاں وقت سحر ہی طبعِ رواں کی
ہر رات شب قدر ہے ماہ رمضاں کی

قربانی

ازل کا رازِ سربستہ سرِ محفل عیاں ہوگا
خودی و بیخودیٔ عشق کا آج امتحاں ہوگا

ہر اک شوخی قیامت ہے مزاجِ حسنِ برہم کی
محبت کو اجازت تک نہیں فریاد و ماتم کی

کوئی تکلیف فرمانے کو ہے طور حقیقت پر
گرے گی برق خاطف خرمنِ ضبطِ محبت پر

یہ دیکھا جائے گا کس راہ میں ہے کاروانِ دل
کہیں منزل سے تو غافل نہیں ہے رہبرِ منزل

یہ عزمِ مستقل ہے آج پھر امواجِ طوفاں کا
کہاں تک پاٹ ہے دیکھینگے ہم ساحل کے داماں کا

حجاباتِ تعین درمیاں سے اٹھتے جائیں گے
نگاہِ شوق تک خود جلوہ ہائے ناز آئیں گے

فلک نے معرکے دیکھے ہیں حسن و عشق کے اکثر
کبھی صحنِ چمن میں اور کبھی صحرا کے دامن پر

مگر بے پردہ ہوگا راز وہ آج حسن و الفت کا
جو ہوگا اختراعِ فائقہ دستورِ فطرت کا

جو کھٹکے گا نگاہِ نازنیں میں صورتِ نشتر
بنے گا شرح متنِ عشق کی من بقتلوا ہو کر

قیامت تک نہ دیکھے گا کوئی ہرگز نظر اس کی
رہے گا دائماً حیرت فزائے عالمِ ہستی

یہ ہے وہ راز کہ جو باعثِ تنظیمِ ملت تھا
کتابِ آفرینش کے ورق پر درسِ حکمت تھا

فضا کی وسعتوں میں ہر طرف چھائی ہے خاموشی
سکونِ مستقل ہے یا وجودِ عالمِ ہستی

حریمِ قدس کے پردے بھی حیرانِ تماشا ہیں
لبِ فطرت پہ لیکن جنبشیں کچھ رقص فرما ہیں

زمیں سجدہ گزار شوق ہے محو خوشی ہو کر
برستا ہے ازل کا راز الہام شبی ہو کر

سُنی اک سننے والے نے صدائے نطق پنہانی
محبت کا اگر دعویٰ ہے لاؤ نذرِ قربانی

وہ قربانی جو دیباچہ ہو تکمیل نبوت کا
بنایا جائے عنواں جس کو احکام شریعت کا

جسے ربط جلی ہو مرکز تنظیم عالم سے
تقدس جس کا افزوں ہو سواد عرش اعظم سے

یہ سن کر عشق نے لی دفعتہً مستانہ انگڑائی
نظر ڈالی زمیں سے تا فرازِ چرخ مینائی

یہ منشا تھا کہ اب سامان قربانی فراہم ہو
باایں انداز جس سے حسن حیران مجسم ہو

اٹھائے رخ سے اپنے عالم ایجاد نے پردے
چلے آئے سمٹ کر ایک ہی مرکز پہ سب جلوے

تجلی پیش کی لا کر مہ و خورشید و انجم نے
متاع رنگ و بو گلزار نے در موج قلزم نے

سحر دامن میں اپنے لائی بھر کر گوہرِ شبنم
سلیقے سے سنوارے شام نے بھی گیسوئے برہم

دکھا کر درج گوہر عرض کی عقد ثریا نے
اسی دن کے لئے محفوظ رکھے تھے یہ دُردانے

شفق لے آئی اپنے لالہ زار گل بداماں کو
فلک نے رکھ دیا لاکر چراغ ماہِ تاباں کو

مگر ان میں نہ تھا کوئی بھی نذرِ حسن کے قابل
نگاہ شوق بول اٹھی یہ سب کھوٹے یہ سب باطل

محبت نے ذرا مڑ کر پھر اپنی ہی طرف دیکھا
نظر آیا اسے پہلو میں اپنے دل کا وہ ٹکڑا

ملی تھی جس کو توفیقِ وفا بزم حقیقت سے
لیا تھا درس تسلیم و رضا خود جس نے فطرت سے

کیا تھا غیر ذی زرع کو جس نے صورت گلشن
بنایا وادیٔ کعبہ کو رشک وادیٔ ایمن

فلک نے جس کے دروازے پہ کی برسوں جبیں سائی
پر جبریلؑ کے سائے میں جس نے پرورش پائی
منظم ہو گیا جس کی بدولت مرکزِ عالم
بہایا جس نے اک ٹھوکر سے اپنی چشمۂ زمزم
وہی سمجھا گیا پھر لائق درگاہِ یزدانی
اسی کا خون ہوگا پیش بہر نذر و قربانی

ہے لغزش میں زمینِ مقتل کی وقت امتحاں آیا
شہادت کے تصور نے وفا کا خون گرمایا
ملی تیغ رواں جھک کر رگ حلقوم بسمل سے
قیامت ہٹ گئی گھبرا کے حدِ کوئے قاتل سے
ہٹا مقتل سے حسنِ فتنہ خو بھی سخت گھبرا کر
نہ دیکھی باپ کی تیغِ رواں بیٹے کی گردن پر
زمیں سے تا فلک چھایا ہوا ہے رنگ مدہوشی
کہیں برہم نہ ہو جائے نظامِ عالمِ ہستی
صدا آنے لگی ہر سمت سے گوشِ محبت میں
یہ قربانی ہوئی مقبول درگاہ حقیقت میں

گُل خانے

جنوں طراز چمن کون ہے خدا جانے
یہ پھول ہیں کہ شگفتہ مزاج دیوانے
حریف گل ہیں تو ہوں یہ جواب دل تو نہیں
چھلک رہے ہیں سر میکدہ جو پیمانے
ہے میکدے میں دلوں کی شکستگی مقبول
پسند پیر مغاں ہیں شکستہ پیمانے
وہی ہیں باعث خاموشیٔ لب ساحل
زبان موجۂ دریا پہ ہیں جو افسانے
بہار آئی ہے دورِ خزاں کے بعد الم
سجا رہا ہے کوئی پھر چمن میں گل خانے

چاند

(۱)

دنیا کی وسعتوں میں ہے آئینہ شباب
اک بے مثال نور کی تصویر لاجواب
اک شعلۂ خموش بعنوان آب و تاب
شہزادۂ فلک کہ ہے تاروں کا آفتاب

نکلا وہ ماہتاب

(۲)

کرنوں کا مست و سرد تموج ہے بے پناہ
اک جادۂ سکونِ محبت کی جلوہ گاہ
شاید ہے عرشِ حسن کی بے پردہ اک نگاہ
ہر شخص کی نگاہ کو ہے اس سے رسم و راہ

نکلا وہ ماہتاب

(۳)

تسکین قلب و روح کا آئینہ دار ہے
جس میں خزاں کا نام نہیں وہ بہار ہے

اہلِ وفا کی جان ہے اور غمگسار ہے
جو کم نہ ہو سکے کبھی ایسا خمار ہے
نکلا وہ ماہتاب

(۴)

آغوش میں سرور کی دنیا لیئے ہوئے
جلوؤں میں انبساط تمنا لیئے ہوئے
روحانیت فروز اُجالا لیئے ہوئے
اپنے جلو میں نور کا دریا لیئے ہوئے
نکلا وہ ماہتاب
دُکھے ہوئے دلوں کو دعائے لطیف تر
بھٹکے ہوؤں کو قابلِ تعظیم راہبر
اپنے کمال نور سے عنوان رہ گزر
تصویر زندگی کا تبسّم ہے سربسر
نکلا وہ ماہتاب

(۵)

خلوت کدوں میں مشعلِ رنگین بن گیا
زیبائش حیات کی تمکین بن گیا

نقش و نگار خلق کی تزئین بن گیا
اُجڑی ہوئی نگاہ کی تسکین بن گیا
نکلا وہ ماہتاب

اے سرگران ہستیِ پرپیچ و تاب اٹھ
اے سوز سے پھنکے ہوئے غمگیں شباب اٹھ
اے انتہائے یاس سے مصروفِ خواب اٹھ
نظّارہ تیرا ہونے کو ہے کامیاب اٹھ
نکلا وہ ماہتاب

انجامِ حیات

ہم ہیں اور یہ وسعت ہنگامہ ہائے زندگی
ہر طرف موجود ہیں اسباب صد رنج و خوشی
ہے کبھی جلوہ سحر کا لذت افزائے حیات
اور کبھی تاریکیٔ شب روح فرسائے حیات
ہو کے غافل ہم بہر صورت مآلِ کار سے
کھیلتے ہیں زندگی کی ہر غلط رفتار سے

موت کے ساحل پہ لیکن جب گزر پاتے ہیں ہم
اپنی اپنی منزلوں کی سمت یوں جاتے ہیں ہم
جیسے قطرے اوس کے گلشن میں ہنگام سحر
کرتے ہیں سورج کی جانب دفعتہً عزم سفر
اور ہو کر مضطرب ہر اک شعاع آفتاب
آ کے بن جاتی ہے باغِ دہر میں جانِ گلاب

اُردو

فروغِ چشم ہے تسکینِ دل ہے بے گماں اُردو
ہر اک عالم میں ہے گویا بہارِ گلفشاں اُردو

کوئی دیکھے تو اس کی قوتِ تخلیق کا عالم
بنا سکتی ہے زیرِ چرخ لاکھوں آسماں اُردو

مقلّد جو نہیں اس کا وہ پہنچے گا نہ منزل پر
سرِ ہر جادۂ منزل ہے میرِ کارواں اُردو

محافظ اپنی قوت سے ہے تہذیب و تمدن کی
نہ کیوں ہو ارتقائے زندگی کی رازداں اُردو

گلستانِ ادب میں جسقدر رہتے منتشر جلوے
منظم کر چکی ہے ان کو مثلِ جسم و جاں اُردو

فضائے علم و فن پر یہ مثالِ ابر چھائی ہے
مذاقِ جستجو بن کر رگِ دل میں سمائی ہے

زبانیں اور بھی دنیا میں کچھ گرمیٔ محفل ہیں
مگر منزل ہے اُردو اور وہ سب گردِ منزل ہیں

ہر اک اندازِ روشن ہر بیاں پر کیف ہے اس کا
ادائیں جسقدر بھی ہیں وہ شرحِ جذبۂ دل ہیں

زمینِ شعر اس کی اک چمن زارِ محبّت ہے
ہیں جتنے گیت وہ سب نغمۂ فطرت کا حاصل ہیں

ریاضی ہو کہ منطق فلسفہ ہو یا تصوف ہو
سب اسکی بزم میں موجود ہیں اور جانِ محفل ہیں

ملی ہیں جلوۂ فطرت کی سب رنگینیاں اس کو
مرقعے اسکے سینے سے لگا لینے کے قابل ہیں

رواج اس کا جہاں کی وسعتوں میں بے تکلف ہے
یہ پاکیزہ زباں ہے اور لطیف اس کا تصرف ہے

مٹا سکتا ہے کون ایسی زبانِ پاک فطرت کو
دیا درسِ شفا جس نے مذاقِ ملک و ملت کو

جمود و زندگی میں حشر برپا کر دیا اس نے / عطا کی ہیں اسی نے بجلیاں احساسِ الفت کو

نظامِ زندگانی پر بڑا احسان ہے اس کا / بہت آسانیاں اس سے ملیں تبلیغ فطرت کو

زہے شانِ طلاقت لفظ و معنی ہیں کہ گل بوٹے / زہے اوجِ حذاقت جان دے دی مردہ حکمت کو

یہ ممکن ہے کہ قوموں کو مٹا دے گردشِ عالم / مگر کوئی مٹا سکتا نہیں اُردو کی عظمت کو

ہر ایک تحریک اس کی ترجمانِ جذبِ کامل ہے

کہ ہر آہنگ اُردو ہمنوائے بربطِ دل ہے

اگرچہ رشکِ باغِ خلد ہے اُردو کی شادابی / مگر یہ چاہتی ہے اور بھی امکانِ سیرابی

تجلی اور بخشی جائے یوں شعر و صحافت کو / کہ شرمندہ ہو جس سے آفتابِ چرخِ دولابی

اگر اردو کا سورج ضوفشاں ہو پوری قوت سے / تو بالکل ختم ہو جائے ستاروں کی تنک تابی

ہوا اب اس طرح علم و شعر کی ترویج اُردو میں / کہ ہندوستان میں پیدا ہوں عرفی اور فارابی

کمئ ذوق عارض ہو تو پھر یہ ہے علاج اس کا / نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

کہ تا بر منزلِ مقصود پائے کارواں بینی

دیکھا ہے

یہ تمیزِ جزو و کل کیا ہے نقصِ دیدۂ ظاہر / مری آنکھوں نے ذروں میں بیابانوں کو دیکھا ہے

بہاروں میں حفاظت کرنے والے جیب و داماں کی / کبھی گلشن میں پھولوں کے گریبانوں کو دیکھا ہے

شمس و قمر

حسبِ معمول خمِ ابروئے جاناں بن کر		نزدِ خورشید جو آیا قمرِ خوش منظر
دیکھ کر اس کو یہ کہنے لگا مہرِ تاباں		کچھ خبر بھی ہے تجھے اسکی مہِ ضو افشاں
میرے پرتو سے مجلّٰی ہے تری ہر منزل		میرے دم سے ترے جلووں کی ہے قائم محفل
ورنہ ہے چرخ پہ تو ایک وجودِ بے نُور		اس حقیقت سے ہیں آگاہ سبھی اہلِ شعور

سُن کے خورشیدِ منور کا بیاں ماہِ مبیں
یوں لگا کہنے کہ اے چرخِ چہارم کے مکیں

یہ تو سچ ہے کہ میں روشن ہوں تجلی سے تری		ہے مگر تیری نظر سے یہ حقیقت مخفی
تو سمجھتا ہے سرِ چرخ جسے اپنا جمال		اس کا ماخذ ہے کوئی اور ہی خورشیدِ کمال
کہکشاں ہو کہ ثریا ہو کہ میں ہوں یا تو		تابشِ انجمِ رخشاں کہ گلوں کی خوشبو
روئے تاباں سحر شام کی زلفِ مشکیں		رونقیں دن کی شبِ تار کا حسنِ رنگیں
سب اسی مہرِ حقیقت کے ہیں آثارِ نمود		جس کا آئینہ ہے خود جلوۂ بزمِ مشہود

اک کرن اسکی ترے پردۂ رخ سے چھَن کر
مجھ تک آتی ہے جمالِ رخِ ہستی بن کر

اشارات

ہوتی نہیں کچھ بھی غم الفت کی مکافات
سننے کو تو سن لیتے ہیں وہ روز مری بات

دل کانپتا ہے تذکرۂ شیخ حرم سے
عبرت کا مرقع ہیں برہمن کی حکایات

پامال تعصب ہے کچھ اس درجہ اخوت
باقی نہیں اللہ کے بندوں میں مواسات

تائید عمل سے ہے تہی گوشۂ تخئیل
رہتی ہے زباں آٹھ پہر وقف مقالات

ہر اہل سیاست سے ہے مخفی یہ حقیقت
بربادیٔ قومی کا ذریعہ ہیں منافات

ہوتا نہیں کم جذبۂ تخریب کسی طور
تعمیر کے حامی ہیں سبھی گرم نزاعات

اس دور میں احسان نہیں احسان کا بدلہ
کچھ اور سیاست میں ہیں مفہوم مجازات

تزویر کا حامل ہے ہر اک دعویٔ الفت
رکھی ہے کہاں دیکھئے بنیاد مواخات

کل وقت سحر میں نے یہ آواز سنی تھی
کہتا تھا سر راہ کوئی رند خرابات

اونچا ہے مقام ان کا بہت بام خرد سے
پروردۂ افرنگ ہیں جو تازہ روایات

جتنی صدائیں ہیں یہاں سب ہیں بغیر امتیاز
کس نے یہ دی صدا مجھے کس کو بلا رہا ہوں میں

لمحہ بہ لمحہ اے الم آتے ہیں یاد وہ مجھے
ان کو اگرچہ صبح و شام دل سے بھلا رہا ہوں میں

غالب

ایک تیرا شعر ہے روحِ وجودِ کائنات
رقص کرتی ہے ترے نغموں پہ لیلائے حیات

ہے تیرا حُسنِ تخیّل صبحِ جنت آفریں
فکر تیری چومتی ہے رفعتِ عرشِ بریں

عکسِ حُسنِ دوست ہے لطفِ بیانِ برمحل
جلوۂ لرزاں ہے دردِ عشق کا تیری غزل

رازِ سربستہ ہے اک تیرا طلسمِ شاعری
جدّتِ تخئیل میں مشکل ہے تیری ہمسری

ترجمانِ زندگانی ہے تیرا لطفِ سخن
خاتم الشعرا ہے تو اے مرکزِ اسرارِ فن

مطلقاً نیرنگئ اشعار میں مستور ہے
قوتِ ذہنِ رسا کی دسترس سے دور ہے

یوں ہے مصروفِ ترنم پردۂ ہر ساز میں
گونجتا ہے بزمِ ہستی کی ہر اک آواز میں

دولتِ افکار تیری ہے متاعِ جاوداں
تیری ہستی پر ہے نازاں کشورِ ہندوستاں

"آ کہ تو رازِ بقا اندر فنا فہمیدہ ہے"
پھر حجابِ خاک میں کس واسطے پوشیدہ ہے

تو مذاقِ جستجو کو بخش دے عزمِ جلیل
بن کے آجا قافلے میں شورِ بانگ الرحیل

پڑھ وہ اک مطلع کہ روشن جس سے ہوں تاریکیاں
منزلِ مقصد کی جانب گام زن ہو کارواں

خفتہ کارانِ وفائے عشق کو ہشیار کر
زندگی جذبات کو دے روح کو بیدار کر

اپنے الہامِ فلک پیما سے اب کچھ کام لے
قصرِ اُردو ہے تزلزل میں تو اس کو تھام لے

ہاں وہی اردو کہ جو ہے مایہ دارِ علم و فن
حرزِ جانِ ہندو و مسلم فروغِ انجمن

جنبشِ امواجِ کوثر جس کی ہر سطرِ جمیل
لذتوں میں جس کی شیرینیِ آبِ سلسبیل

ہیں ریاضت کے تری گل جسمیں وہ گلشن ہے یہ
طورِ معنی ہے جوابِ وادیٔ ایمن ہے یہ

خوف ہے یہ باغ ہو جائے نہ پامالِ خزاں
مٹ نہ جائے کاروانِ اہلِ منزل کا نشاں

زخمہ زن ہو منتظر تیرے ہیں نغماتِ رباب
لے رہا ہے کروٹیں اک انقلابِ کامیاب

نالۂ ناتمام

سمجھ رہا ہے سکوں میرے اضطراب کو بھی
انھیں سے ساز ہے اس دہرِ ناصواب کو بھی

حریم عیش کا میرے تو اہتمام نہ پوچھ
مجال دخل نہیں انتظارِ خواب کو بھی

کہیں سے اِن کو نگاہ شعور مل جائے
سمجھ رہے ہیں جو اک ذرہ آفتاب کو بھی

میں اپنی بزم میں اک روز کھینچ لاؤں گا
فلک سے چاند ستاروں کو آفتاب کو بھی

بنا ہی لوں گا بہر طور زینتِ محفل
قمر کے چنگ کو ناہید کے رباب کو بھی

وہ موج زن ہے مری موج ہر نگاہ کے ساتھ
جس انقلاب کا خطرہ ہے انقلاب کو بھی

ایثار و قربانی

ہر خموشی محفلِ ہستی میں اک آوازہ ہے
جس کو کہتے ہیں فنا وہ زندگی کا راز ہے

ہے شکستِ ساز میں پوشیدہ اک رنگِ نوا
قافلے کی نیند میں بیدار ہے بانگِ درا

ہر تغیر اک نئی تہذیب کا ہے اہتمام
درسِ عرفانِ تمدن ہے نظامِ صبح و شام

لے کے خون رگہائے ظلمت سے شبِ دیجور کی
غازۂ روئے سحر تیار کرتا ہے کوئی

ہے خزاں کی موت گلشن میں بہاروں کا جمال
جل کے بن جاتا ہے پروانہ حیاتِ لازوال

آسماں کو جذبۂ ایثار نے دی شانِ اوج
دیکھ ہر طوفان ہے پروردۂ احسانِ موج

ہر تنزل کا ہے قربانی علاج کامیاب
وقت پر اس سے نکھر جاتا ہے رنگِ انقلاب

ہے اسی جذبے سے وابستہ مآلِ زندگی
آفتابِ آدمیت کی ہے یہ رخشندگی

یہ نہ ہو تو پتھروں میں لعل پیکانی نہ ہو
صحنِ گلشن میں بہاروں کی گل افشانی نہ ہو

چشمِ بینا سے ذرا دستورِ قربانی کو دیکھ
پردۂ تدبیر میں تقدیرِ انسانی کو دیکھ

ہاں بغیر اس کے نہیں ممکن کوئی حسنِ عمل
اسکے دامن سے ہے وابستہ نجاتِ مستقل

اس حقیقت کا ہے مظہر اہتمامِ کائنات
جذبۂ ایثار سے ہوتی ہے تکمیلِ حیات

فرشِ نوبہار

اک فرش ہفت رنگ تھا نوشیرواں کے پاس
فرشِ بہار کہتے تھے سب جس کو خاص و عام

تھا صنعتِ عجم کا وہ بے مثل شاہکار
جس سے خجل تھا جلوۂ گردونِ سبز فام

رشکِ بہارِ گل تھا جواہر نگار تھا
گویا تھا ایک گلشنِ فردوس التزام

گلکاریوں میں اسکی تھے موتی جڑے ہوئے
جیسے فلک پہ جلوۂ پروینِ خوش نظام

آتا تھا باغِ دہر میں جب موسمِ بہار
لاتے تھے باہر اس کو بصد شوق و احترام

بچھتا تھا لالہ زار میں اور اس پہ بادشاہ
یوں بیٹھتا تھا جیسے فلک پر مہِ تمام

ارکانِ سلطنت بھی سب از روئے مرتبہ
ہوتے تھے اپنی اپنی جگہ فائز المرام

اہلِ نشاط و عیش کا ہوتا تھا اک ہجوم
ساقی کے فیضِ عام سے چلتا تھا دورِ جام

جاری رہا یہ سلسلہ تا عہدِ یزدگرد
تا آنکہ حق نے یوں لیا باطل سے انتقام

عہدِ عمرؓ میں تا بہ مدائن خدا کی فوج
پہنچی اور اس پہ ہوگئی قابض باحتشام

اسلامیوں نے بادۂ گلرنگ کے عوض
ان کو چکھائی تلخیٔ صہبائے انہزام

وہ فرش اور مالِ غنیمت بحکمِ سعدؓ
لایا گیا حضورِ خلیفہؓ باہتمام

جب بٹ چکی غنیمتِ برحق تو بعد میں
وہ فرش رہ گیا کہ تھا محبوبِ خاص و عام

پیدا ہوا سوال کہ کیا کیجئے اسے
تھی بعض کی یہ رائے نہ ہو اس کا انقسام

ہے بے نظیر صنعتِ ایراں کی یادگار — یونہی باحتیاط یہ رکھا رہے مدام
لیکن جنابِ شیرِ خدا مرتضیٰ علیؓ — کہنے لگے بعید حقیقت ہے یہ کلام
رکھا نہ جائے مرکزِ اسلام میں یہ فرش — شام و پگاہ اس پہ لنڈھائے گئے ہیں جام
یہ یادگار بادہ پرستی ہے اس لئے — اس کے وجودِ نحس کا لازم ہے انعدام
میرِ عربؓ[لہ] نے سُن کے یہ ٹکڑے کیا اُسے — پھر حق کا حق تھا دے دیا اُن کو بلطفِ عام
تائیدِ حق کے ہاتھ میں میزانِ عدل تھی
اسلام کا یہ دَور تھا جمہوریت نظام

لہ حضرت عمرؓ

تحفظِ زبان

تاریخ کا بیاں ہے کہ بہرام خوش گہر — بیٹھا تھا اک درخت کے سائے میں شادکام
کانوں میں اسکے آئی اک آوازِ دل فریب — دیکھا کہ ہے درخت پہ اک مرغ خوش کلام
ہنگامہ اک بپا ہے صدائے لطیف سے — نغموں سے اس کے گونج رہی ہے فضا تمام
مارا جو بادشاہ نے اک تیر جوڑ کر — ثابت ہوا وہ اس کے لئے موت کا پیام
گر کر زمیں پہ طائرِ خوش جاں بحق ہوا — کہنے لگا یہ دیکھ کے بہرام نیک نام
یہ شرطِ زندگی ہے جہانِ خراب میں — رکھیں زباں کو اپنی حفاظت سے خاص و عام
رکھتا اگر یہ طائرِ خوش بھی زبان کو بند
کیوں دستِ روزگار سے پیتا فنا کا جام

مرثیہ مصطفیٰ کمال پاشا

۱۵ ر نومبر ۱۹۳۸ء

عرش سے تا فرش اک ہنگامۂ فریاد ہے
مرکزِ صد آہ و شیونِ عالمِ ایجاد ہے
ذرہ ذرہ محفلِ ہستی کا ہے ماتم بدوش
چشمِ عالم کثرتِ گریہ سے ہے لالہ فروش
صبح کے دامن میں ہر تارا شرار و برق ہے
کشتیٔ مہرِ فلک خونِ شفق میں غرق ہے
لمحہ لمحہ دن کا ہے چشمِ جہاں میں غم طراز
شب کی زلفیں شانۂ ہستی پہ ہیں ماتم نواز
زلزلے سے کانپتا ہے عرصۂ کون و مکاں
اپنے مرکز سے نہ ہٹ جائے نظامِ دو جہاں

یہ مصیبت انتہائے گردشِ ایّام ہے
صبح شاید ہو نہ جس کے بعد یہ وہ شام ہے

نظمِ عالم ہو گیا برہم قیامت آ گئی
آفتابِ شوکتِ مسلم پہ ظلمت چھا گئی
اے زمیں گردوں سے ٹکرا کر فنا انجام ہو
جلد تا معدوم نیرنگیٔ صبح و شام ہو
اے ہوائے صبحِ گلشن اٹھ کے آتش ریز ہو
کس لئے خاموش ہے اے بحر طوفاں خیز ہو
آؤ اے کوہ و بیاباں مجلسِ ماتم بنو
اے بگولو سر دھنو میرے شریکِ غم بنو
چھا گئیں ہر سمت بزمِ شوق میں حیرانیاں
مٹ گئیں جوشِ جنوں کی سب جنوں سامانیاں

کیا ستم ہے صبحِ گلشن پر اندھیرا چھا گیا
ناز کرتا تھا چمن جس گُل پہ وہ مرجھا گیا

میکدے ہیں اب نہ صہبا ہے نہ مینا ہے نہ جام
اٹھ گیا ساقی جو دیتا تھا شرابِ لالہ فام

جراتِ رندانہ اپنا زورِ ہمّت کھو چکی
میگساران شجاعت چپ ہیں ہُو حق ہو چکی

عظمتیں سب مٹ گئیں شوقِ جہاں افروز کی
ہمتیں پست ہو گئیں جوشِ خودی آموز کی

کون سمجھائے گا منشائے کمالِ اضطراب
ذہنِ افسردہ کو دے گا کون درسِ انقلاب

کون بخشے گا شکست قوم کو فتح جدید
کون دے گا شامِ غم کو مژدۂ صبح اُمید

چل بسا تھی جس کے دم سے رونق بزمِ چمن
ہے غبار آلود رنگ نسترین و نسترن

تجھ سے شکوہ ہے مجھے اے موت اے جبرِ قضا
زیب گلشن تھا جو گل تو نے اسی کو چن لیا

تو فقط بربادیٔ مسلم کی ہم آہنگ ہے
ہاں بجائے دل ترے سینے میں شاید سنگ ہے

سینۂ مسلم پہ مارا تاک کر تیرِ محن
اندریں حالیکہ تازہ تھا ابھی زخمِ کہن

تیرے اس حملے نے ظالم توڑ دی اپنی کمر
بہہ گئے آنکھوں سے خوں ہو کر دل و جان و جگر

دل میں تازہ تھا ابھی اقبال کا رنج و ملال
چھین کر تو لے گئی اب ہم سے غازی کمال

ڈاکٹر اقبال

اُن کو تا کا تھے جو ہستی میں امیرِ کارواں
کس قدر مخدوش ہیں یہ تیری چیرہ دستیاں

اے شہید قوم اے تو ظلِ ربِّ کائنات
پھیر لی کیوں خستہ حالوں سے نگاہِ التفات

چپکے چپکے کس لئے پیتا ہے تو خونِ جگر
کس مہم سے ہو رہا ہے اتنا آزردہ نظر

آج کھلتا ہی نہیں اس تیری خاموشی کا راز
کیا خبر کیا کہہ رہی ہے تیری چشمِ نیم باز

کیا کسی دشمن کی غداری سے دل رنجور ہے — فوج دشمن پر کوئی حملہ تجھے منظور ہے
ذہن میں کیا پھر نیا گوشہ کوئی پیدا ہوا — اس لئے بحر سیاست میں ہے تو ڈوبا ہوا

شکلِ بسمل مضطرب ہر ایک دل افگار ہے
مثلِ ناوک تیری خاموشی جگر کے پار ہے

سر اٹھا کر دیکھ تو اے غازیٔ شمشیر زن — نرغۂ اعدا میں ہے محصور تیری انجمن
منتشر ہیں قوتیں سب ملّت برباد کی — ہے گھٹا چھائی ہوئی ہر سمت استبداد کی
بے ترے ملّت کا بیڑا پار ہونے کا نہیں — جاگنے کا وقت ہے ہنگام سونے کا نہیں
شانِ اسلامی دکھا دنیا کو پھر حیران کر — زیر کر دشمن کو آمیداں میں سینہ تان کر
خنجر برّاں کی ضو سے دے عرب کو زندگی — سرزمینِ ایلیا کو بخش دے تابندگی

اپنی ٹھوکر سے ہلا دے قصرِ استبداد کو
تیرا حق ہے چھین لے غرناطہ و بغداد کو

پھر اخوّت کا سبق اے غازیٔ اسلام دے — اتحاد باہمی کا قوم کو پیغام دے
حکم دے تیار ہیں سب خوں بہانے کیلئے — ہر مجاہد منتظر ہے سر کٹانے کے لئے
خنجر برّندہ جنبش میں پئے نخچیر ہے — منتظر ہاتھوں کا تیرے قبضۂ شمشیر ہے
دیکھ شاید فوجِ دشمن تیر برسانے لگی — آہ توپوں کے گرجنے کی صدا آنے لگی
اٹھ بچا لے قوم کے ناموس و نام و ننگ کو — رنگ دے پھر خونِ دشمن سے زمین جنگ کو

منھ نہ موڑیگا وہ تیرے حکم کی تعمیل سے
اب نہیں پھر جائینگے کہدے یہ عزرائیل سے

تیرے جانے سے ارادے اپنے ہو جائینگے پست — دشمنانِ بدگہر بن جائینگے سب چیرہ دست

اُمتِ مرحوم میں تیرا کوئی ثانی نہیں — ایک میں بھی تیرا اندازِ ہمہ دانی نہیں

موت واقف ہے ابھی تیری ضرورت ہے یہاں — بیکسی میں چھوڑ کر تو ہم کو جاتا ہے کہاں

تو اس عہدِ پرفتن میں حامیٔ اسلام ہے — نام تیرا سُن کے دشمن لرزہ براندام ہے

موت سے کہدے ابھی ممکن نہیں عزمِ سفر — اور کچھ دن ٹھہر جانے کے لئے اصرار کر

یہ ہمیشہ سے ادب کرتی ہے اسمِ پاک کا
واسطہ دیدے اجل کو سیدِ لولاک کا

المدد ہاں المدد اے قوتِ ضبطِ فغاں — آگیا کٹ کر کلیجہ تا بچشمِ خوں فشاں

محشر شیون ہے جنبش میں لبِ خاموش پر — یورشیں ہیں لشکرِ غم کی جہانِ ہوش پر

آگیا وہ وقت اک مدت سے تھا جس کا خطر — خوف سے جس کے پگھل جاتا تھا سینے میں جگر

غازیٔ اسلام ہے تیار جانے کے لئے — آگئے قدسی جنازے کو اٹھانے کے لئے

دیکھ تو لیں آخری دیدار بارنج و محن — چہرۂ انور سے تھوڑا سا ہٹا دینا کفن

اللہ اللہ بعد مردن یہ شکوہِ لازوال
موت سے بھی دب نہیں سکتا ترا جاہ و جلال

چشمۂ حیواں ہے زیرِ دامنِ دشتِ سراب — پردۂ ظلمت میں پوشیدہ ہے نورِ آفتاب

پاس رکھے خاکِ مدفن اس امانت کا ضرور — ہو کفن میلا نہ ہرگز اس کا تا یومِ النشور

یہ وہ ہے جس نے سمجھایا تھا شعورِ زندگی — عرصۂ ہستی میں تھا آگاہ قانونِ خودی

منجلی تھے اسکے دل پر نقش آئینِ وفا　　جان دے کر اپنی روح قوم کو زندہ کیا
اے زمینِ گور یہ تاجِ سرِ افلاک ہے　　یہ صلاح الدین ایوبی کی روح پاک ہے
سونپتے ہیں ہم تجھے اِس دولتِ بیدار کو
گود میں لے یادگارِ خالدؓ و ضرارؓ کو

قطرۂ شبنم

ایک قطرہ اوس کا گلشن میں ہنگامِ سحر　　ضوفگن تھا برگ گل پر مثلِ تابندہ گہر
جیسے قصاں روئے رنگیں پر کوئی موجِ عرق　　یا ستارہ کوئی جیسے زینتِ رنگِ شفق
دیکھ کر میں نے کہا اس کی تجلی ریزیاں　　منحصر ہے اسکے جلووں پر فروغ گلستاں

دفعتہً موجِ نسیمِ صبح نے انگڑائی لی　　اک لہر تا قطرۂ شبنم بھی اُسکی آ گئی
ایک ہی جنبش کے صدمے سے وہ جانِ گلستاں　　گر پڑا فرشِ زمیں پر صورتِ اشکِ رواں
اب میں سمجھا تھی وہ اک طرزِ فریبِ ہست و بود　　شاہکارِ حسن کی سمجھا تھا میں جس کو نمود
کتنے جلوے ہیں یہاں جو درخورِ محفل نہیں
رونقِ محفل تو ہیں لیکن سکونِ دل نہیں

جمہوریت

دیکھ چشمِ غور سے تو بزمِ ہستی کا کمال — جلوہ فرما ہے ہر اک ذرے میں حُسنِ اعتدال
منحصر حدِّ توسط پر ہے نظمِ دو جہاں — منسلک ہیں رشتۂ تعدیل میں کون و مکاں
مقتضی انصاف کا ہے جبکہ فطرت کا نظام — کیوں نہ ہو جمہوریت میں پھر عدالت کا قیام
ہو اگر تنظیمِ ملّت حُسنِ دانش کی دلیل — محفلِ ہستی کا ہر گوشہ ہو فردوسِ جمیل

ترجمانِ صد حقیقت ہوں قوانینِ مجاز
منکشف ہو جائیں عمرانیتِ انساں کے راز

کاروانِ زندگی کا ہر قدم ہو برمحل — شرحِ نصب العین حرّیت ہو تحریکِ عمل
ہو مرقعِ نو بہارِ گل کا تہذیبِ چمن — ارتباطِ بلبل و گل میں ہو رنگ حُسنِ ظن
دور ہو جائے جہاں سے لعنتِ بغض و نفاق — ہو محیطِ فکرِ انسانی محبّت کا مذاق
گوشِ حاکم ہو قریب اتنا لبِ محکوم سے — سُن سکے ہر داستاں خاموشیٔ مظلوم سے

عقل اور جذبات ہوں اس طرح دونوں متصل
ہو نہ نظمِ مملکت میں کوئی قوّت بھی مخل

ہاں اگر جمہوریت میں ہو تعصّب کا رواج — ظلم بن جاتا ہے تعدیلِ حکومت کا مزاج
بیکس و مظلوم ہو جاتے ہیں پامالِ ستم — پھونک دیتا ہے جگر توہینِ آزادی کا غم

دل کو برماتے ہیں جبر و اختیارِ جاں گسل
زندگی پر موت کے ہوتے ہیں حملے متصل
مادیت روح کو دیتی ہے پیغامِ شکست
حوصلے تہذیبِ انسانی کے ہو جاتے ہیں پست
جوشِ نخوت فکر کے تیور بدل دیتا ہے یوں
خوں رُلاتا ہے جہاں کو خود پرستی کا جنوں
آدمیت سوز بن جاتا ہے ذہنِ آدمی
معصیت ہوتا ہے سرانجام کارِ زندگی

بایدہر لحظہ کہ ما پابندئ فطرت کنیم
در جہاں بنیاد جمہوریت برحق نہیم

حقیقتِ مجاز

تو سمجھتا ہے فریبِ چشم ہے بزمِ شہود
ایک فانوسِ خیالی ہے طلسمِ ہست و بود
بے خبر ہے لیکن اس سے تو یہ بزمِ بے ثبات
ہے ترے ذوقِ عمل کی ایک نظارہ کائنات
کر نظر میں اپنی تو پیدا کمالِ آگہی
تا نظر آئے حقیقت عالمِ ایجاد کی
جو نہ ہو منزل تری ایسی کوئی منزل نہیں
تیری انگڑائی ہے یہ خمیازۂ ساحل نہیں
ہیں تری پوشیدہ فطرت کے یہ اندازِ جلی
کوہساروں کا تحمل ہو کہ پھولوں کی ہنسی

ہے فقط دم سے ترے ترتیبِ عالم کا قیام
ہر نفس سے تیرے وابستہ ہے ہستی کا نظام

مُسلِم اور ہلالِ عید

مُسلِم

مُبارک اے ہلالِ عید ذوقِ جلوہ فرمائی
سرِ دوشِ فلک یہ اَوج یہ شانِ تجلّائی

سکھائی تو نے ہر نجم فلک کو بادہ پیمائی
فلک پر مستیاں برسا رہا ہے تیری انگڑائی

شفق میں ہلکی ہلکی یہ ترے جلووں کی زیبائی
رخِ رنگینِ جاناں پر ہے گویا عکسِ رعنائی

قدِ خم گشتہ ہے تیرا کہ یہ گردوں کے ہاتھوں میں
ہے کوئی گوشۂ دامانِ برقِ طورِ سینائی

نگاہوں کو مری دھوکا ہے شاید بحرِ اخضر میں
کوئی سونے کی کشتی ڈوب کر ہے پھر اُبھر آئی

تو صہبا خانۂ فطرت کا کوئی جام ہے جس کو
چرالایا ہے پھر بادہ نوشی چرخِ مینائی

خبر بھی ہے تجھے عالم کو دیوانہ بنائے گا
سرِ شامِ تمنّا یہ ترا اندازِ لیلائی

ترے جلووں کی تابانی سراسر ہوش فرسا ہے
نہ ہو جائے کہیں رسوا مرا رازِ شکیبائی

فقط عنوانِ عشرت تجھ کو جو سمجھا وہ ناداں ہے
مری نظروں میں ہے تو اک نمودِ شانِ یکتائی

تو اک عنوانِ رنگیں ہے تجلی گاہِ فطرت کا
ترا جلوہ نہیں مرکز ہے انوارِ حقیقت کا

کرم سے جس کے رہتا ہے ترا گردش میں پیمانہ
اسی ساقی نے بخشی ہے مجھے جاگیرِ میخانہ

یہ سچ ہے رفعتیں حاصل ہیں تجھ کو بامِ گردوں پر
مگر عرشِ بریں سے بھی ہے اونچا میرا کاشانہ

تجھے تو یاد ہو گا وہ میرا دورِ نشاط آگیں
کہ تھا جب گرمیٔ بزمِ ازل میرا ہی افسانہ

نہاں تھیں مستیاں اس وقت میری ذہنِ فطرت میں
کہ جب صہبائے خلقت سے نہ تھی تزئینِ پیمانہ

ترا جلوہ مِرا دل دونوں اک رنگیں حقیقت ہیں
جو تو ہے شمعِ محفل میں ہوں سوزِ عشقِ پروانہ

چھپا رہتا تھا یوں تو کوئی پردے میں تعین کے
ملا کرتا تھا لیکن مجھ سے اکثر بے حجابانہ

نہ جانے کیوں نہیں اب سوز میرے گرم نالوں میں
مری آہیں مذاقِ درد سے ہیں آج بیگانہ

کہاں ہے وہ مرا ذوقِ طلب جو چھین لیتا تھا
صراحی کہکشاں سے اور مہِ گردوں سے پیمانہ

کہاں ہے عزمِ فاروقی کہاں زورِ یداللّٰہی
کہاں ذوقِ خلیلانہ کہاں شوقِ کلیمانہ

چمن پیدا کئے جس وقت چاہا گرد باموں سے
زمینِ پست کو ٹکرا دیا ایوانِ گردوں سے

ہلالِ عید

مری نظروں میں ہے مسلم ترا دورِ جہانبانی
تری درگاہ میں جھکتی تھی سلطانوں کی پیشانی

مسلم تھی جہاں میں شوکت و شانِ مسلمانی
تری ٹھوکر سے تھا وابستہ اورنگِ سلیمانی

نظر جمتی نہ تھی بغداد و غرناطہ کے ذروں پر
کوئی سورج تھا کوئی چاند کوئی لعلِ رمّانی

فلک بھی دیکھتا تھا جھک کے شانِ بیتِ حمرا کو
بلندی میں نہاں تھا جس کی اوجِ طورِ عرفانی

مری نظریں لرز جاتی تھیں دربارِ خلافت میں
میں جب آتا تھا شامِ عید بہرِ تہنیت خوانی

مجھے ہے یاد اک اک حرف اس الہامِ رنگیں کا
جو ماحولِ حرا میں بن کے برسا ابرِ نیسانی

بہر لمحہ تیرے ایثار پر ہیں وقفِ حیرت تھا
زمینِ نینوا میں پیش کی جب تو نے قربانی

زمین و آسماں کوہ و بیاباں رقص کرتے تھے
تھی رشکِ نغمۂ زہرہ تری طرزِ حدی خوانی

تری ہستی مگر اب صرف ننگِ آدمیت ہے
حریفِ ضبطِ غم ہے آج تیری چاک دامانی

سبب تو پوچھتا ہے مجھ سے اس تغییرِ حالت کا
بتا دوں آ تجھے میں اقتضا قانونِ فطرت کا

ہٹے بنیاد اگر مرکز سے ضبط و نظمِ دوراں کی
تو اڑ جائیں فضا میں دھجیاں ہستی کے داماں کی

قیامِ زندگانی منحصر ہے جذبِ باہم پر
فقط مجموعۂ ذرات ہے ہستی بیاباں کی

شگفتِ غنچہ و گل رنگِ شبنم کاکلِ سنبل
یہ مل کر ہی تو کہلاتے ہیں سب دنیا گلستاں کی

ہے سازِ شمع سے قائم وجودِ سوزِ پروانہ
ہیں پروانے کے دم سے رونقیں شمعِ شبستاں کی

نہیں سینے میں جس کے جذبۂ خودداری ساحل
مٹا دیتی ہیں اس کو شورشیں امواجِ طوفاں کی

نہیں آگاہ جو آئینِ ضبطِ جوشِ الفت سے
حفاظت کر سکے گا کیا وہ اپنے جیب و داماں کی

توجہ سے نگاہِ حسن کی رہتا ہے بیگانہ
وہ آنسو جو نہ زینت بن سکا دامانِ مژگاں کی

تو ہٹ کر راہِ منزل سے ہوا بیگانۂ منزل
نہ کی تقلید تو نے کاروانِ راہِ عرفاں کی

تری ہستی تنزل گیر ہوتی کیوں نہ دنیا میں
بھلا بیٹھا حقیقت تو ازل کے عہد و پیماں کی

بیا در میکدہ گیریم تازہ جامِ صہبا را
بوجد آریم و گردانیم افلاک و ثریا را

عروسِ فطرت

تضمین بر غزل سیماب اکبر آبادی

(۱)

یہ رنگ صحرا یہ حسن گلشن ہے جلوۂ بے حجاب تیرا
ریاضِ ہستی کی روح بن کر مہک رہا ہے گلاب تیرا
ہے باعثِ بیخودیٔ عالم سرورِ صہبائے ناب تیرا
عروسِ فطرت مری نگاہوں پہ چھا رہا ہے شباب تیرا
لطیف پردوں سے چھن رہا ہے جمالِ زیرِ نقاب تیرا

(۲)

ہجومِ حرمان و یاس و غم میں سرِ توکل کا تاج ہے تو
جراحتِ قلبِ خستگاں کا سکون ہے تو علاج ہے تو
شبِ جدائی کی خلوتوں میں فغانِ بیکس کی لاج ہے تو
زوال سے اور نیند سے بے نیاز و بے احتیاج ہے تو
حدوث کو خفتہ کاریوں کو ہوا ہے تقسیم خواب تیرا

(۳)

میں دولت لازوال سمجھوں نہ کیوں محبت کی سوگواری
کمال ہستی بنی ہوئی ہے دل ستم کش کی بیقراری
زباں ہو خاموش کیوں فغاں سے کرے نہ کیوں آنکھ اشکباری
اگرچہ صبر آزما بہت ہے تری خموشی و پردہ داری
مگر ہے دامن کش عقیدت سکوت تیرا حجاب تیرا

(۴)

میں دیکھتا ہوں وجود ہستی کو یوں تو گرم کلام اکثر
مگر حقیقت میں راز دارانہ خامشی کا ہے ایک دفتر
جبین عالم جھکی ہے بہر سجود مطلق نیاز بن کر
جلال و جبروت نے لگا دی ہیں اپنی مہریں لب زباں پر
ہے کوہ و صحرا کی ہستیوں میں اشارۂ انقلاب تیرا

(۵)

جو تیری رحمت کا ابر رنگیں چمن میں برسے نہ کھل کے پیہم
جلا کے غنچوں کو خاک کر دے بشکل آتش فشار شبنم
جو تو دکھائے نہ گیسو و رخ نظام صبح و مسا ہو برہم
ترے جلال و جمال ہی سے ہے اعتدالِ مزاجِ عالم
کہیں غضب بے پناہ تیرا۔ کہیں کرم بے حساب تیرا

(۶)

یہ شمعِ سوزاں نے چپکے چپکے لیا ہے جلنے کا ڈھنگ تجھ سے
جلے نہ محفل میں شمع پر کیوں کہ آشنا ہے پتنگ تجھ سے
دلِ محبّت کی بڑھ رہی ہے ازل کے دن سے امنگ تجھ سے
نہ حسن پرتو سے تیرے خالی نہ بے اثر آب و رنگ تجھ سے
تمام کافر جوانیوں پر برس رہا ہے شباب تیرا

(۷)

اک اضطرابِ رواں کی صورت ہے بن کے کوئل کی کوک بن میں
تو ہی ہے خوشبوئے روح پرور شگفتہ پھولوں کے پیرہن میں
تجلّیوں کا ہے ایک سیلاب مہر و مہ کی کرن کرن میں
ہے محوِ آرائشِ مسلسل تو اپنے جلووں کی انجمن میں
اک آئینہ ماہتاب تیرا اک آئینہ آفتاب تیرا

(۸)

بسان مستی حسنِ رنگیں تری محبت جواں ہے اس میں
خودی کی ایماں فریبیوں کا طلسم غفلت کہاں ہے اس میں
الم کی ہستی ہے ایک قطرہ تو بن کے دریا رواں ہے اس میں
ہے روح سیماب ساز تیرا تو سوز بن کر نہاں ہے اس میں
تڑپ رگِ جاں میں ہے یہ کس کی اگر نہیں اضطراب تیرا

انسان

حیرت نظارہ ہے ہر رنگ میں بزم شہود
اسکے جلوے ہیں کہیں رقصاں کہیں حسن جمود
بخش دیتی ہے سکون جانفزا دنیا کو شام
صبح کی قسمت میں ہے بیداریوں کا اہتمام
عکس روشن ہے سکوت حسن کا یہ ماہتاب
مد و جزر موجۂ دریا ہے مطلق اضطراب
جنبشوں سے آشنا خمیازۂ ساحل نہیں
راز آگاہِ سکوں موج رواں کا دل نہیں
مطمئن ہے اپنی ہی فطرت پہ ہر شے بے خلل
یا تحرک آشنا ہے یا سکوتِ مستقل

لیکن انساں کو نہیں ہے ایک حالت پر قیام
وہ کبھی خاموشئ پیہم کبھی تحریکِ عام
ہیں کبھی خاموشیوں میں اس کی ہنگامے نہاں
اور کبھی ہیں شورشیں اس کی سکوتِ جاوداں

آپ ہی صیدِ زبوں ہے آپ ہی صیّاد ہے
اس کی ہستی اک طلسمِ جامعِ اضداد ہے
یعنی انساں فاطرِ ہستی کی وہ تقدیر ہے
جو تحرک اور سکوں کے متن کی تفسیر ہے
اس خصوصیت کی حامل گر نہ ہوتی اسکی ذات
وہ نہ ہوتا باعثِ خلق وجودِ کائنات

عمرؓ بن عبدالعزیز کی توبہ

پوچھا کسی نے یہ بن عبدالعزیز سے
آغاز کس طرح ہوا توبہ کا آپ کی
کہنے لگا وہ مردِ حقیقت شناس یوں
سُن غور سے اگر ہے تو شیدائے آگہی
اک روز اک غلام کو دیتا تھا میں سزا
سرزد ہوئی تھی اس سے یقیناً خطا کوئی
کہنے لگا وہ مجھ سے بصد عجز و انکسار
سُن لیجئے ذرا یہ ہے اک التجا مری
وہ شب کہ جس کی صبح قیامت کی صبح ہے
بے شک و شبہ وقتِ مقرر پہ آئے گی
اسکے ورود سے نہیں ڈرتے کہ تم مجھے
دیتے ہو یوں سزائیں نہیں کیا میں آدمی
تھرا گیا میں خوف سے سن کر یہ گفتگو
آغاز تھا یہی مری توبہ کا اے اخی

شعاعِ مہر اور خار

تعرف الاشیاء باضدادھا

(۱)

شعاعِ مہر نے صحنِ چمن میں وقتِ سحر
کہا یہ خار سے اے کاوشِ خیال و نظر
بہارِ باغ کا سرمایہ جب لطافت ہے
گلوں کی بزم میں پھر تیری کیا ضرورت ہے
کھٹک رہا ہے ہر اک کی نگاہ میں ہر بار
جسے بھی دیکھئے گلشن میں تجھ سے ہے بیزار
نظر خراش جگر دوز اک نمود ہے تو
چمن میں واقعی ننگِ چمن وجود ہے تو
خیال چٹکیاں لیتا ہے یہ مرے دل میں
نہیں جو درخورِ محفل وہ کیوں ہے محفل میں

(۲)

یہ سن کے خار نے نوکِ زباں کو تیز کیا
حریف کو یہ کھٹکتا ہوا جواب دیا

شعاعِ مہر منور نہیں تو واقفِ راز
ترا بیاں ہے خود اپنے قصور کا غمّاز
بغور دیکھ ذرا انتظام کارِ جہاں
ہے ضد سے اپنی معرّف ہر ایک چیز یہاں
اگر وجود نہ ہو زیرِ چرخ ظلمت کا
تو اعتراف تجلی کا ہو نہیں سکتا
شبِ فراق کو جس آنکھ نے نہ دیکھا ہو
وہ صبح وصل کے جلوؤں سے آشنا کیا ہو
اٹھا چکا جو اسیری میں بارِ ذلّت کو
سمجھ سکے گا وہ آزادیوں کی عظمت کو
دلیل رفعتِ کامل ہے یورشِ ادبار
خزاں کے دم سے ہے گلشن میں احتشامِ بہار
نگاہ ڈال کے اہلِ نگاہ باطل پر
پہنچ ہی جاتے ہیں اک روز حق کی منزل پر
اگرچہ باغ میں تصویرِ نامرادی ہوں
مگر چمن کی بہاروں کا رازِ مخفی ہوں
مرے وجود کا مقصد وہی سمجھتا ہے
فروغِ گُل کی حقیقت کا جو شناسا ہے

ہُما اور زغن

یک رنگی

ایک اونچے سے شجر پر اک ہُما اور اک زغن
مطمئن بیٹھے ہوئے دونوں تھے سرگرمِ سخن

کہہ رہی تھی یوں ہُما سے چیل بافخر و غرور
مجھ سا مرغانِ جہاں میں کون ہے مولائے فن

کیا نہیں ہیں میری جولانگاہِ پرواز و خرام
یہ زمیں یہ آسماں یہ دشت یہ صحنِ چمن

دیکھتی رہتی ہے ہر شے کو زمیں پر میری آنکھ
آسماں پر جبکہ میں رہتی ہوں ہمدوشِ پرن

یہ نظر یہ گرمیٔ پرواز یہ تیزیٔ ہوش
ہے کہاں تجھ میں بتا اے مشفقِ من یارِ من

کس لئے کہتی ہے دُنیا پھر مجھے نحس و ذلیل
اور کیوں تیری سعادت کے مقر ہیں مرد و زن

مفلس و نادار تک بھی مجھ سے رہتے ہیں نفور
اور ترے سائے کے طالب ہیں سلاطینِ زمن

میرے اوصافِ حمیدہ کا نہیں قائل کوئی
کیا نہیں ہے میرے حق میں یہ ستم آئینِ ظن

سُن کے یہ گفتِ پریشاں اور نازیبا کلام
طائرِ اوجِ سعادت نے کہا اے جانِ من

سچ ہے جو کہتی ہے تو لیکن ہے اسکا کیا جواب
مرد و زن کی طرح دنیا میں تو مرد ہے نہ زن

تجھ سے سب کرتے ہیں نفرت اس دو رنگی کے سبب
تو کبھی نر ہے کبھی مادہ نر ہے ایں مکر و فن

کیوں نہ ہر اک صاف باطن کو ہو اس سے اجتناب
ہے جہاں میں ہر منافق مثلِ خضرائے دمن

کیا نہیں تونے سُنا قولِ سنائی بے خبر
کہہ گیا ہے دیکھ تو کیا بات وہ مردِ سخن

یا ہمیشہ چوں زناں رنگے و بُوئے پیش گیر
یا چوں مرداں اندر آؤ گوئے در میداں فگن

نوائے مستانہ

تو خموشی ہے کوہساروں میں — تو ہی نغمہ ہے آبشاروں میں
ساقی بزم گلستانِ وجود — تو خزاں میں ہے تو بہاروں میں
ہاں پلا دے کہ اب نہیں باقی — طاقتِ ضبط بادہ خواروں میں
اوج مینا سے آج چمکا دے — جلوۂ طور میگساروں میں
لا وہ بادہ کہ جس کی تابانی — کہکشاں میں ہے اور تاروں میں
نرگس و گل میں جس کی مستی ہے — جس کی تابش ہے نوبہاروں میں
ہے جمالِ مذاقِ پروانہ — شمعِ ہر بزم کے شراروں میں
حجلۂ گل میں جس کی منزل ہے — جو بگولا ہے رہگزاروں میں
دل نوازوں میں آیۂ تسکیں — شانِ رحمت ہے غمگساروں میں
اک ثبوت کمالِ ہستی ہے — زندگی بن کے بیقراروں میں
دے وہ خوش رنگ تاکہ میرا بھی — رنگ جم جائے پختہ کاروں میں

بہر آزار من توئی راقی
ہاں نگاہے بسوئے من ساقی

برسات میں عید آئی

یہ بام فلک پر مجھے کیا شے نظر آئی
جلوہ ہے کوئی جلوے کی یا عکس نمائی

مچھلی تہِ قلزم سے ہے کوئی ابھر آئی
یا موجہ کوثر میں ہے کشتئ طلائی

انگشترِ گم گشتہ سلیماں کی ہے شاید
عفریتِ فلک نے کہیں دھوکے سے چرائی

یا عکس فگن جام بلوریں سے ہے پیہم
ساقئ پسِ پردہ کی انگشت حنائی

تصویر کسی ابروئے پُر خم کی ہے جس کو
لے کر فلکِ پیر نے سینے پہ سجائی

اس منظرِ دل کش پہ لو وہ آگیا بادل
تلوار سیہ دیو نے دامن میں چھپائی

تاثیر ہوا سے ہوئیں بدمست فضائیں
گِھر گِھر کے گھٹا چرخ عجب کار پہ چھائی

اِک سمت سے بادل نے وہ دامن کو سمیٹا
گردوں پہ وہی چیز مجھے پھر نظر آئی

حیراں تھا میں کیا راز نہفتہ ہے یہ آخر
اک رندِ خراباتی نے یہ بات سجھائی

"ساون میں دیا پھر مہِ شوال دکھائی
برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی"

خوش آمدی اے ماہِ فلک اور ہو تاباں
ذرے بھی چمک جائیں زمیں پر ہو چراغاں

تو ساقئ میخانۂ فطرت ہے ازل سے
دے جام وہ جس میں ہو جھلکتی مئے عرفاں

وہ دے کہ ہے جو کیفِ غمِ عشق کی ضامن
ہر موج میں جس کی ہے نہاں مستئ طوفاں

مدت سے خزاں دیدہ ہے امید کا گلشن
پژمردہ ہیں غنچے تو ہیں گل چاک گریباں
اک موت ہے یہ زندگیٔ تلخ کا عالم
ہے سلسلہ انفاس کا یا بارشِ پیکاں
یہ پیکرِ انوار ہے تیرا آیۂ رحمت
تو اہلِ وفا کے لئے ہے تحفۂ یزداں
دے بامِ فلک سے ہمیں ایسا کوئی پیغام
ہر درد میں بن جائے جو تسکین کا ساماں
تفسیرِ حقیقت ہو جو خطبہ وہ سنا دے
بیدار ہو سنتے ہی جسے جذبۂ ایماں
پھر قسمتِ خوابیدہ کو اس طرح جگا دے
تقدیرِ جہاں ساز ہو کردارِ مسلماں
پیغام خوش آہنگ ہے مستوں کی زباں پر
یہ ذوق کا مطلع کہ ہے اک نغمۂ لرزاں

ساون میں دیا پھر مہِ شوال دکھائی
برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی"

چلے گئے

ہر پردے سے جمال دکھا کر چلے گئے
باطل کو حق طراز بنا کر چلے گئے
وہ کتنے بے نیازِ بہارِ چمن سے تھے
جو آشیاں میں آگ لگا کر چلے گئے
آزادِ ہر فریب تھے کانٹوں کے قافلے
دامن گلوں سے اپنا بچا کر چلے گئے
آزادیوں کا درس دیا پہلے اور پھر
زندانِ آب و گل میں پھنسا کر چلے گئے
معنیٔ وصل و ہجر وہ سمجھا گئے الم
بے پردہ آج سامنے آ کر چلے گئے

نالۂ نیم شبی

نفسِ الہام ہوں الہام کی آواز بھی ہوں
نغمۂ درد بھی ہوں سوز بھی ہوں ساز بھی ہوں
عرش پر خلوت تقدیر کا ہم راز بھی ہوں
بالِ جبریلؑ میں نیرنگیٔ پرواز بھی ہوں
منجلیٔ زیست کے عنوان ہیں میرے دم سے
بزمِ ہستی کے یہ سامان ہیں میرے دم سے

یاد ایّام کہ سرسبز تھا گلزارِ جہاں
ساغرِ گل سے ٹپکتی تھی شرابِ عرفاں
شوخیٔ دیدۂ نرگس تھی چراغِ امکاں
ترجمانِ صحفِ راز تھی سوسن کی زباں
گونجتا تھا مرے نغموں کی صدا سے عالم
عالمِ روح تھا تقدیس نوا سے عالم

اک زمانے کو دیا درسِ حقیقت میں نے
تابشِ نور سے بدلی رگِ ظلمت میں نے
مدتوں خاک پہ کی بارشِ رحمت میں نے
ذرے کو بخشدی خورشید کی رفعت میں نے
آگ نالوں سے سرِ طور لگا دی تھی کبھی
کوہ فاراں پہ نئی شمع جلا دی تھی کبھی

یہ اثر تھا مرے اندازِ رجز خوانی میں
شعلے اٹھتے ہوئے آتے تھے نظر پانی میں

فقر کی شان بھی قائم تھی جہانبانی میں   جوہر عجز نہاں تھا مری سلطانی میں
آج دنیا مری امید کی آباد نہیں
یوں کبھی اور بھی اجڑی تھی مجھے یاد نہیں

اب نہ وہ جام نہ وہ بادۂ رنگیں باقی   نہ سروں میں وہ سرور طرب آئیں باقی
پیر میخانہ نشیں ہیں نہیں تمکیں باقی   نہ رہا بزم کا وہ دور نگاریں باقی
اثر سوز دلِ شمع ہے مٹ جانے کو
نعشِ پروانہ سحر آئی ہے دفنانے کو

منتشر ہو چکا شیرازۂ تقویم حیات   دعوی محض ہے اب دعوئ تنظیم حیات
کون کہتا ہے کہ آسان ہے تفہیم حیات   جاننا سہل نہیں مقصدِ تعلیم حیات
ہر طرف جوش جہالت کی فراوانی ہے
فخر بیجا ہیں فقط شانِ مسلمانی ہے

نالۂ صبح کی وہ گرمئ بازار نہیں   شام فرقت میں کوئی آہ شرر بار نہیں
دل ہے سینے میں مگر لذتِ آزار نہیں   روح بے کیف مے عشق سے سرشار نہیں
اب وہ پہلے کی طرح دل تپش اندوز نہیں
نغمۂ ساز رگ جاں میں ذرا سوز نہیں

لیکن اک جوش نمو ہے ابھی گلشن میں مرے   زندگی کروٹیں لیتی ہے نشیمن میں مرے
ہے قیامت کا اثر نالۂ و شیون میں مرے   بجلیاں مستعد رقص ہیں خرمن میں مرے

قائمِ اندازِ جنوں نالۂ زنجیر سے ہے
گرمیٔ محفلِ ہستی مری تقریر سے ہے

نغمہ زن سازِ مہمات مرے نام سے ہے
گرمیٔ خمکدۂ شوق مرے جام سے ہے
ہے غلط خوف مجھے گردشِ ایام سے ہے
بلکہ اک گونہ تعلق مجھے آلام سے ہے

کام جب نالۂ شبگیر سے میں لیتا ہوں
منزلِ عرش کی زنجیر ہلا دیتا ہوں

میری الجھن سے ہے گیسوئے بقا کی تزئین
موت واقف ہے کہ ہوں حسن فنا کی تمکین
گر کروں دہر میں آئینِ جنوں کی تلقین
چھین لوں پنجۂ زہرہ سے رباب رنگین

یاد ہے عالمِ تنزیہ کو پرواز مری
صورِ محشر کو دبا لیتی ہے آواز مری

کس نے دیکھی ہے مرے حشرِ فغاں کی شورش
شررِ نالۂ دل سوز کا آہنگ تپش
اشکِ خونیں کی سرِ دامنِ حسرت لرزش
چشمِ عبرت زدۂ یاس کا رنگ گردش

برقِ عرفاں کا نشیمن ہے مرے سینے میں
جلوۂ حسنِ ازل ہے مرے آئینے میں

پھر مرا نالۂ خاموش ہے تاثیر فروش
ہر نفس ہے کہ رگِ موجۂ الہام سروش
حسنِ تقدیر سے ہے حسنِ عمل ہم آغوش
یعنی ہر پہلوئے تخریب ہے تعمیر بدوش

دوں گا اس طرح حقیقت کا میں دنیا کو پیام
انقلابوں سے لرز جائے گا ہستی کا نظام

ایک مغرب زدہ سے

یہ سچ ہے مغربی تہذیب کا ہے تو ماہر
نہیں ہے مجھکو تری وسعت نظر میں کلام

ترے بیانِ تفلسف اثر کا کیا کہنا
ہے لفظ لفظ میں مستور حکمتوں کا نظام

تری زباں پہ ہے تفسیر علم یونانی
ترے شعور پہ غالب تخیّلِ اعجام

تجھے سیاست مغرب ہے یاد حرف بحرف
ترا کلام ہے جدّت اثر باستحکام

مگر یہ غور تو کر ماہر رموزِ فرنگ
تو دے رہا ہے کسے اہل فلسفہ کا پیام

تو کر رہا ہے کہاں شرح قوم و ملّت کی
دکھا رہا ہے کسے شعبداتِ زرق انجام

تری دلیل جچے گی نظر میں کیا اس کی
محمدؐ عربی کا ہے جو ازل سے غلام

جو درس گیر ہے ہر دم کتاب و سنت سے
ہے جسکے ذوق پہ چھایا ہوا خدا کا کلام

سمجھ چکا ہے جو معنئ قوم قرآں سے
ہے جس کا مرجع اصلی شریعت اسلام

ہٹا سکے گا نہ اس کو رہِ ثواب سے تو
ہے اسکے سامنے گمراہ کن ترا پیغام

یہ عین حق ہے کہ بنتی ہے قوم مذہب سے
اسی اصول پہ فطرت کا منحصر ہے نظام

پیامِ رمضان

اے مسلماں اے امانت دارِ عرفانِ خودی
ذمہ دارِ نظمِ دو عالم ہے تیری زندگی

تیرا دستورِ وفا قانونِ عالمگیر ہے
ہر نفس تیرا مذاقِ عشق کی تفسیر ہے

تیرا ہر اک اشکِ رنگیں ضامنِ تمکینِ عشق
قطرۂ خونِ جگر کی تابشیں تزئینِ عشق

نالۂ شبگیر ہے تیرا کہ پیغامِ سروش
طورِ سینا تیرے اک سجدے سے ہے جلوہ فروش

آج کیوں تو بزمِ ہستی میں نوا پیرا نہیں
قلب میں جوشِ فغاں لب پر کوئی نالہ نہیں

خونِ دل کو زندگی دے گرمیٔ تدبیر سے
تا ملے تسکین مہمل شکوۂ تقدیر سے

لے کے آیا ہوں میں پھر وہ بربطِ ہستی نواز
جسکے سوز و ساز میں ہے گرمیٔ محفل کا راز

کوہساروں کو دیا جس نے سکونِ بر محل
اور طوفانوں کو بخشا اضطرابِ مستقل

دیکھ بے پردہ ہے رازِ پردۂ لوح و قلم
کھول آنکھیں اور سمجھ لے فرقِ انوار و ظُلَم

زندگانی مردِ مومن کی ہے سعیٔ متصل
اسکی پیہم کوششوں سے دورِ گردوں بھی خجل

ہو نہ کافر جوہرِ شمشیرِ آہن کو نہ دیکھ
ارتقائے شعبدہ بازی پر فن کو نہ دیکھ

شورشِ محشر ہے خوابیدہ تری ہر آہ میں — ڈھونڈ لے حربوں کو اپنے ضربِ لا اللہ میں
کر وہ سجدہ پھر زمیں پر جس سے گردوں کانپ اٹھے — تیرے اعجازِ عبودیت کو دُنیا دیکھ لے
یہ اذانیں یہ نمازیں یہ سجودِ صبح و شام — اپنے دامن میں لئے ہیں فتح عالم کا نظام

جاگ راتوں کو دلِ خوابیدہ کو بیدار کر
ظلمتوں کو دہر کی سجدوں سے پُر انوار کر

ضرورتِ انسان

(۱)

وہ دن بھی تھے گل افشاں تھیں بہاریں باغِ امکاں میں
شبابِ زندگی تھا کیف پرور بزمِ انساں میں
منوّر تھی زمانے کی فضا نورِ حقیقت سے
تھا عشرت گیر ذہنِ آدمی ذوقِ محبّت سے
نظر آتا نہ تھا رنگِ تعصب سجدہ گاہوں میں
محبّت کی پرستش ہو رہی تھی خانقاہوں میں
مگر اب فتنہ در فتنہ ہے ہر کردارِ انساں کا
تسلط جذبۂ ایماں پہ ہے تقلیدِ عصیاں کا

ہر عنوانِ سحر شام تباہی کی نشانی ہے
بہت افسردہ احساسِ مزاجِ زندگانی ہے
ہے غلبہ زندگی پر رسم و آئین سیاست کا
پراگندہ ہے شیرازہ کتابِ آدمیت کا

(۲)

مُقیّد ہے صداقت انتظامِ وحشت آگیں میں
بہاریں گِھر گئی ہیں اقتدارِ دستِ گلچیں میں
رُلاتی ہے لہو آنکھوں کو سُرخی ہر فسانے کی
اجل بھی کانپتی ہے بربریت پر زمانے کی
سیہ کاری کے لاکھوں داغ ہیں عفت کے داماں پر
ہوس کی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں ذہنِ انساں پہ
عروجِ حق شکستیں پا چکا ہے زورِ باطل سے
ہے انگاروں کی بارش قافلے پر صبحِ منزل سے
نُمایاں حشر سے پہلے ہی آثارِ قیامت ہیں
یہ لمحے زندگی کے ہیں کہ زندانِ مُصیبت ہیں
ہے دُنیا اے خدا تصویر تخریبِ مجسّم کی
کسی انساں کو پھر توفیق دے تعمیرِ عالم کی

(۳۳)

جو افسردہ مزاجئ حیاتِ دل کو گرما دے
جہاں کی وسعتوں میں زندگی روح برسا دے
ہر اک آواز ہو جس کی نویدِ عشرتِ منزل
ہو جس کا ہر نفس زخمہ زن سازِ سرِ محفل
نگاہوں سے وہ یوں احساسِ خوابیدہ کو گرمائے
مزاج زندگانی مرکزِ اصلی پہ آجائے
یہاں تک جذبۂ حسن و وفا سرگرمِ احساں ہو
ہر اک انساں کو استحقاقِ انسانی کا عرفاں ہو
تمام افرادِ ملت نقطۂ وحدت پر آجائیں
عروج و ارتقا کی عظمتیں گردوں کو شرمائیں
ہو پیدا قوت تعمیر ذراتِ پریشاں میں
شگفتہ ہوں ہزاروں گلستاں ہر اک بیاباں میں
اندھیرا دور ہو جائے صداقت کی تجلی سے
ہر اک داغ جہالت دور ہو دامانِ ہستی سے
ضرورت ہے جہاں کو آج ایسے مردِ کامل کی
جو تسکیں بن کے آجائے ہر اک اجڑے ہوئے دل کی

نغمۂ شاعر

(۱)

میں حسنِ ازل کا جلوہ ہوں، ہر جلوے میں پوشیدہ ہوں
بیدار شبابِ گل میں ہوں اور تاروں میں خوابیدہ ہوں
میں بن کے ہنسی آجاتا ہوں پھولوں کے لبوں پر وقتِ سحر
اک جوشِ تکلم ہوتا ہوں خاموش فضاؤں کے اندر
کلیوں کی صبوحی میں رکھتا ہوں بادۂ رنگین پوشیدہ
پھولوں کی رگوں میں دوڑاتا ہوں برقِ جمالِ نادیدہ
رقصاں ہوں بگولے جنگل میں، یا شمع پہ لرزاں پروانے
میرے ہی اشارے ہیں مخفی یہ دشت و چمن کے ہنگامے
طوفانِ حوادث کی موجوں میں راہ نما بن جاتا ہوں
ہر ڈوبنے والی کشتی کو ساحل کی راہ دکھاتا ہوں
میں رازِ بقائے ہستی ہوں احکامِ فنا کے دامن میں
ذرّوں سے اگاتا ہوں لالے صحرا کو سجا کے گلشن میں

(۲)

یہ پھولوں کے برگِ لرزاں کچھ ٹکڑے ہیں پیمانوں کے
کچھ آنسو شمعِ محفل کے کچھ داغِ جگر پروانوں کے

یہ کہنہ کھنڈر، یہ ویرانے آثار کسی محفل کے ہیں
ہر موجِ رواں کے قطروں میں ذرے خاکِ ساحل کے ہیں
قطرے کی نازک موجوں کے دامن میں دریا پنہاں ہے
ذرہ نہ سمجھ ہر ذرے کو خورشیدِ حقیقت تاباں ہے
دستورِ نظامِ ہستی سے واقف ہی نہیں لیکن انساں
یہ اس کی نظر سے مخفی ہے تخریب میں ہے تعمیر یہاں
تغیر کا قانونِ ازلی ہے اس کی نگاہوں میں خطرا
محفوظ ہے اس کی روح مگر وہ موت سے ہے گھبرا جاتا
جب ایک حقیقت کا پرتو ہیں دونوں جہاں کے نظارے
تمیزِ غلط کا مجرم تو ہوتا ہے جہاں میں کیوں پیارے

کر لیتے

غم سے جو فراغت مل جاتی کچھ کارِ نمایاں کر لیتے
قطرے کو بنا لیتے دریا ذرے کو بیاباں کر لیتے
اچھا تھا کمالِ وحشت کو اس طرح نمایاں کر لیتے
صحرائے دو عالم سے پیدا اک اور بیاباں کر لیتے
تغیرِ نظامِ ہستی سے کچھ اور نکھر جاتی دنیا
اجزائے دو عالم کو اک دن اجزائے پریشاں کر لیتے

مُستقبلِ جنگ

یہ نظم ۱۵ ستمبر ۱۹۴۲ء کو کہی گئی جبکہ کائناتِ ارضی پر دوسری عالمگیر جنگ کے دھواں دھار بادل چھائے ہوئے تھے

(۱)

تنزل گیر جب ہوتا ہے عالم زندگانی کا
صدائے درد بن جاتا ہے نغمہ سازِ ہستی کا
تسلّط ظُلم کا ہوتا ہے آزادی کی عظمت پر
خزاں کرتی ہے حملے لالہ زارِ آدمیت پر
کچھ اِس انداز سے پاتے ہیں غلبہ جہل و نادانی
کہ صورت بھی حقیقت کی نہیں جاتی ہے پہچانی
امیرِ کارواں کو بھی نظر آتی نہیں منزل
عقیدوں سے بھی اٹھ جاتی ہے تمیزِ حق و باطل
زمیں پر ہر طرف سرگرمیٔ بیداد ہوتی ہے
بالآخر روحِ انساں مائلِ فریاد ہوتی ہے

(۲)

بدل دیتی ہیں مظلوموں کی آہیں نظمِ ہستی کو
اُلٹ دیتی ہے جنگِ ملتہب طبقاتِ ارضی کو

سمندرِ خونِ انساں کا تموّج خیز ہوتا ہے
اسی انداز سے جیسے کہ آج اک حشر برپا ہے
جدھر دیکھو اُدھر بھڑکے ہوئے ہیں جنگ کے شعلے
برستے ہیں جہاں والوں پہ انگارے جہنّم کے
قیامت خیز گولے اور یہ توپوں کی سرگرمی
مکافاتِ مسلسل ہیں کسی بیکس کے نالوں کی
نگاہیں اہلِ دنیا کی جنہیں سمجھی ہیں طیّارے
نتیجے ہیں مجسّم سب یہ مظلوموں کی آہوں کے
بپا ہے اس لئے شاید یہ ہنگامہ سرِ منزل
کہ مٹ جائے ہمیشہ کے لئے تا قوتِ باطل

(۳)

نتیجہ جنگِ حق کا یہ ہوا کرتا ہے ہستی میں
لرز کر قصرِ استبداد گر جاتا ہے پستی میں
بدل جاتا ہے ہر پہلو نظامِ بزمِ گلشن کا
سکھاتا ہے کوئی بجلی کو گر تعمیر خرمن کا
سحر کا ہر نفس تسکین برساتا ہے دنیا میں
جوانی جاگ اٹھتی ہے چمن میں اور صحرا میں

نمودِ شام دیتی ہے نوید عیش عالم کو
حیاتِ تازہ ملتی ہے گل و گلزار و شبنم کو
اسی دنیا میں آتی ہے نظر پھر اک نئی دنیا
گماں ہوتا ہے جس کی ہر سحر پر صبحِ جنّت کا
تجلی اور بڑھ جاتی ہے ماہ و مہر تاباں کی
چمک ہوتی ہے شمع طور ہر نجم درخشاں کی

(۴)

عروجِ عیش ہوتے ہیں سلیقے کامرانی کے
جہاں افروز بن جاتے ہیں لمحے زندگانی کے
نظر اب دیکھتی ہے ارتقا تہذیب انساں کا
سمجھ لیتی ہے دُنیا زندگانی کا ہے کیا منشا
تمدّن جلوہ گر ہوتا ہے ہر پہلو سے دُنیا میں
جہاں فردوس بن جاتا ہے ہر چشم تماشا میں
اسے کہتے ہیں حسن ارتقا ہستی کا اہلِ دل
اسی کا نام ہے جنگ جہاں پرور کا مستقبل
اگر سنورے نہ بعد جنگ بھی تہذیب انساں کی
تو کہنا چاہیئے تحریک باطل اس کو شیطاں کی

الم جنگے کہ در عالم نشد تسکین جان و دل
بباید گفت آنرا رست خیز قوت باطل

یادِ ماضی

میرے ہندوستان پر اک دن برستا تھا شباب
ذرے ذرے میں چمکتے تھے ہزاروں آفتاب

صبح کا رنگیں تبسّم باغ رضواں کا نکھار
گیسوئے شام وطن ہمرنگ لیلائے بہار

دن کے ہنگاموں سے پیدا مطلقاً جلوہ گری
رات کی خاموشیوں میں لطف عیش سرمدی

تازگیٔ کوہ و صحرا عکس فردوس جمیل
جلوۂ گنگ و جمن صد رشک موج سلسبیل

ہر صدائے دیر تھی شیخ حرم کی ہم زباں
شور تھا ناقوس کا ہم نغمۂ بانگ اذاں

ایک ہی رشتے میں تھے مربوط شیخ و برہمن
ایک ہی منزل پہ سارا قافلہ تھا گامزن

جان محفل تھی نگاہ ساقیٔ گل پیرہن
تھی شراب حسن سے بدمست ساری انجمن

باغ میں شبنم کی بوندیں گوہر نایاب تھیں
بجلیاں تعمیر گلشن کے لئے بیتاب تھیں

دفعتاً آئی چمن میں باد مسموم خزاں
ہو گیا دم بھر میں رخصت رنگ و بو کا کارواں

ایک قدیم عید گاہ میں دُعا

(۱)

نظر اُٹھا کے ذرا دیکھ چشمِ عبرت گیر
یہ سامنے ہے کمال و زوال کی تصویر
یہ عیدگاہ — جو سجدہ گہِ مسلماں ہے
عروجِ رفتۂ مُسلم کا ایک عنواں ہے
شکستہ بام و در اس کے ہیں اک فسانۂ دوش
کبھی تھے طاق و بروج اس کے مہر و ماہ فروش
بلندیوں پہ نگینے تھے یا مُتمّر پارے
تھے ذرّے صحن میں رخشاں کہ عرش پر تارے
فروغِ مذہب و ایماں تھیں عظمتیں اِس کی
فلک بدوش تھیں ہستی میں رفعتیں اِس کی

(۲)

وہ پاک باز نمازی کہ جن کی تکبیریں
پلٹ چکی تھیں نظامِ کہن کی تقدیریں

نماز پڑھتے تھے آکر یہاں بروزِ عید
تھی اُن کی تیغ جہانگیر نصرتوں کی کلید
محیط اس کی فضا پر تھی شانِ یزدانی
جھکی ہے مدتوں شاہوں کی اس میں پیشانی
شکستگی کے مرقعے ہیں گو در و دیوار
مگر عروجِ مسلماں کے ہیں امانت دار
ہے روزِ عید دوگانہ یہیں ادا کرلوں
سرِ نیاز جھکا کر ذرا دعا مانگوں

(۳)

بجا کہ خالق و مختار دوسرا ہے تو
حدِ تخیلِ عالم سے ماورا ہے تو
مجھے دعا کے لئے قوتِ بیاں دیدے
جو انقلاب کی حامل ہو وہ زباں دیدے
ہر ایک آہ کو میری شرر فشاں کردے
نفس نفس کو مرے برقِ بے اماں کردے
وہ جاگ اٹھیں مرے نالوں سے ہیں جو محوِ خواب
میری فغاں کا اثر صورِ حشر کا ہو جواب

پھر اس شکستہ عمارت سے ظلمتیں ہوں دور
یہ عید گاہ جہاں میں ہو پھر نمونۂ طور
بلند اس کی فضا سے ہو نغمۂ توحید
سرور جس کا ہو مستیٔ عشق کی تائید
یہ بام و در یہ فروش و ستوں یہ محرابیں
الٰہی مرکز وحدت فروز بن جائیں

(۴)

پھر اس کے سارے نمازی ہوں حیدر کرّار
ہو جن کے نعرہ تکبیر سے جہاں بیدار
کوئی عمرؓ کوئی بوبکرؓ ہو کوئی عثمانؓ
کوئی حسینؓ ہو کوئی حسنؓ کوئی حسانؓ
جہاں میں ملّت بیضا کی پھر بڑھے توقیر
زمیں پہ سینکڑوں گردوں ہوں پھر نئے تعمیر
ہو ذہن دہر کو عرفاں کمال قرآں کا
عیاں ہو فرق ہر اک دل پہ کفر و ایماں کا
فضائے باغ جہاں اتنی جراَت آگیں ہو
کہ ذرّہ ذرّہ چمن کا حریف گلچیں ہو

فروغِ حسنِ ازل سے ہو چشمِ دل روشن
نظر نظر میں ہو ہر جلوہ جلوۂ ایمن
فلک سے فرشِ زمیں پر تجلّیاں برسیں
فسردہ حال دلوں پر تسلّیاں برسیں

مآلِ آرزو

تھا ایک پھول گلستاں میں صبح محوِ خوشی
جو دیکھا شام کو تھی خشک اُس کی ہر پتی
پڑا تھا خاک پہ پژمردہ اور کہتا تھا
تلاش تھی مجھے جس تیتری کی وہ نہ ملی

وفا

کہتا ہے تجھے کوئی بُرا کہنے دے
تو چھوڑ نہ دامانِ وفا ہاتھوں سے
مٹی کو ذرا دیکھ بچشمِ عبرت
ذلّت کے عوض بخشتی ہے گلدستے

عدلِ نوشیرواں

نرسی[۱] پہ ایک روز جو غالب ہوئی ہوس
کہنے لگا کہ ہے مجھے ہر شے پہ دسترس

یہ باغ یہ زمیں یہ طرب خیز سبزہ زار
مالک ہیں جن کے چند فرومایہ کشتکار

میں لوں نہ انکو اپنے تصرف میں کیوں ابھی
رونق بڑھے گی ان سے مرے خانہ باغ کی

کی اس نے اپنے عزم کی تکمیل بے خطر
نوشیرواں کو بھی ہوئی اس حال کی خبر

ابروئے پر جلال پہ بل آ کے رہ گیا
احساسِ عدل روح میں تھرا کے رہ گیا

صادر ہوا یہ حکم شہِ معدلت نشاں
واپس ہو ان کو ملک ہے جن کی وہ بیگھیاں

ہوتا ہے حکم یہ بھی کہ نرسی کی سرزمیں
ہے ان مزارعین کے کھیتوں سے جو قریں

دی جائے وہ بھی سب انھیں لوگوں کو یک قلم
تا کر سکے نہ پھر کوئی یوں جرأتِ ستم

دیکھا بھی تو نے نفس ہوس کار کے غلام
ہوتا ہے یوں خدا کی ودیعت کا انتظام

یہ طرزِ عدلِ زندگیِ حق کا ہے کمال
اور اس کمال کو کبھی ہوتا نہیں زوال

دعوے تو ہیں تجھے بھی بہت عدل و داد کے
لیکن عمل ہیں تیرے نمونے فساد کے

—— (توقیعاتِ کسریٰ)

[۱] نام پسر نوشیرواں

فلسفۂ حیات

کسقدر بے چین ہے ہستی کے جلووں کا شباب
ہے زمیں سے آسماں تک اک ہجوم انقلاب

فتنہ در فتنہ ہے ہر عنوان حیرت انتساب
کوئی جلوہ مطلقاً عریاں کوئی زیر نقاب

جذبۂ تغییر سے مربوط ہیں کون و فساد
کوئی شے بھی اپنی حالت پر نہیں تسکیں مآب

رات انجم سے سجا دیتی ہے صحن آسماں
صبح کر دیتی ہے اس بزم تجلی کو خراب

شب کی تاریکی چھپا لیتی ہے دن کا ہر جمال
پھر بنا دیتا ہے ہر ذرے کو دن گردوں جناب

راز کیا ہے کیوں خزاں میں خشک ہو جاتے ہیں گل
کیوں بہاروں میں نکھر جاتا ہے پھر رنگ گلاب

اوس گرتی ہے بلندی سے زمیں پر کس لئے
اور کبھی پرواز کر جاتی ہے سوئے آفتاب

کیوں سکوں نا آشنا ہیں یہ زمین و آسماں
نبض ہستی کس لئے رہتی ہے وقف اضطراب

کچھ نہ میں سمجھا کہ یہ کیا راز ہے تو دفعتہً
یوں زبان حال سے دل نے کیا مجھ سے خطاب

مقصد تحریک عالم سے نہیں تو آشنا
زندگی کہتے ہیں جس کو ہے مآل اضطراب

زندگی یوں اپنی ہر جنبش سے عشرت گیر ہے
جس طرح نغموں سے اپنے مرتعش تار رباب

بزم ہستی میں جو کرتا ہے سکوں کی جستجو
موت کو کرتا ہے اپنے واسطے وہ انتخاب

زوال و کمال

نبضِ ہستی کی تڑپ ہے حاملِ صد انقلاب
ذرہ بن جاتا ہے خود اک دن سمٹ کر آفتاب

جلوۂ صبحِ چمن دیتا ہے پیغامِ خزاں
رنگِ گلشن میں نہاں ہے سوزِ برقِ آشیاں

نالۂ دل بربطِ حسرت کا ہم آواز ہے
ہر صدائے دردِ آہنگِ شکستِ ساز ہے

ہے نسیمِ صبح دم اک قاصدِ پیغامِ ہجر
صبحِ عیشِ وصل پر چھائی ہوئی ہے شامِ ہجر

آمدِ دورِ خزاں ہے، جلوۂ حسنِ بہار
نشۂ صہبا میں ہے کیفیتِ رنجِ خمار

آج ہے جو مطمئن ہو گا وہ کل آشفتہ تر
فطرتِ ہستی کا ہے یہ اقتضا اے بے خبر

کیا ہے گر میرا وجودِ زندگی ہے مضمحل
ہر کمالے را زوالے کہہ گئے ہیں اہلِ دل

دیکھ ہے جنبش میں اب ہر نبض پر جوشِ امل
سازِ بیداری پہ ہے پھر زخمۂ دستِ عمل

پھر کوئی سمجھا رہا ہے دل کو رازِ زندگی
بربطِ ہستی ہے ہم آوازِ سازِ زندگی

حاملِ صد جلوۂ فردوس ہے اک اک نظر
پھر ہوئی چشمِ طلب بیگانۂ خوابِ سحر

مژدۂ صبحِ چمن رنگِ نمودِ شام ہے
جنبشِ موجِ صبا اعلانِ جشنِ عام ہے

اے زمینِ شرق اے آئینۂ صد انقلاب
ذرہ ذرہ تیرا ہونے کو ہے رشکِ آفتاب

مرثیۂ سیماب

(۱)

کون سمجھے صبح و شامِ دہر کی بازی گری
مستقل دھوکا ہے کارِ گنبدِ نیلوفری
اک طلسمِ ہوش فرسا ہے جہانِ بے ثبات
فتنہ پرور ہے بہر عالم مزاجِ کائنات
رہزنی ہے فطرتِ ہستی میں راسخ بے گماں
لوٹتی ہے خود ہی یہ منزل متاعِ کارواں
کون ہے جو ناوکِ بیداد کا بسمل نہیں
گردشِ ایّام سے محفوظ کوئی دل نہیں
قصد باطل ہے تصور بھی یہاں تعمیر کا
حاملِ تخریب ہے پہلو ہر اک تدبیر کا
کلبۂ احزانِ مفلس ہو کہ ایوانِ شہی
دستِ بیدادِ اجل کی زد سے لرزاں ہیں سبھی
واقعی مخدوش ہے ہر لمحہ دورِ زماں
ہے مسلّط ذہن و دل پر خوفِ مرگِ ناگہاں

کس قدر ہے روح فرسا داستانِ زندگی
ذرّہ ذرّہ ہے جہاں کا نوحہ خوانِ زندگی
ہائے علم و فن کی دُنیا میں اندھیرا چھا گیا
آفتابِ آسمانِ شاعری گہنا گیا

(۲)

وہ تخیّل جو طوافِ عرش میں مشغول تھا
بے نیازِ گرمیٔ پرواز ہو کر رہ گیا
وہ تفکر تھا جو اک دریائے عرفانِ خودی
اس کی ہر اک موج پر چھائی ہوئی ہے خامشی
جو تکلّم پردۂ گفتار میں تھا گل فشاں
اُس کے نغموں کی خموشی بن گئی ہے دردِ جاں
آج وہ فکرِ فلک پیما ہے بیزارِ صعود
جس کی جولانگاہ تھی بالائے ایوانِ شہود
وہ زباں چُپ ہے دیا کرتی تھی جو دادِ سخن
کس کو اب اہلِ نظر ٹھہرائیں گے معیارِ فن
اب ہے محوِ خواب تھی نقّادِ جلوہ جو نظر
کس لئے روشن ہیں پھر یہ انجم و شمس و قمر

کیوں ہے گرمِ خودنمائی لالہ و گُل کا نکھار
جبکہ گلشن میں نہیں ہے صیرفیِ[۱] نوبہار

اَب ہے معذورِ تماشا چشمِ جوہر آشنا
کیوں صدف میں ہیں گہر وابستۂ نشو و نما

ہوگئی ہیں قلزمِ سیماب کی موجیں خموش
اب فلک پر چشمۂ سیماب[۲] ہے کیوں گرمِ جوش

(۳)

آہ اے سیماب اے رونق فروزِ بزمِ داغ
اُٹھ گیا تو رہ گئی اُردو کی محفل بے چراغ

آج ہے سُونی بساطِ انجمن تیرے بغیر
محفلِ ماتم ہے ہر بزمِ سخن تیرے بغیر

تیرے جانے سے ہوئے بیگانۂ ذوقِ گداز
سوزِ شمعِ بزم اور پروانۂ محفل کا ساز

سازو آہنگِ سرِ محفل ہیں نالہ آفریں
نغمۂ مطرب ہے یا طوفانِ آہِ آتشیں

رخصتِ صبحِ بہارِ عیش اے ساقی ہے آج
اختتامِ دورِ لطفِ بادہ آشامی ہے آج

۱؎ پرکھنے والا

۲؎ کنایہ از آفتاب

عشق کی اب ہر فغاں بے کیف و بے تاثیر ہے
حسن کے جلووں کا عالم مطلقاً دلگیر ہے
رہنِ صد افسردگی ہے لالہ زاروں کا شباب
بے بصر ہے چشمِ نرگس ساغرِ گل بے شراب
بجلیاں برسا رہے ہیں قافلے پر بے گماں
زحمتِ نظارہ بن کر صبح منزل کے نشاں
قافلہ ہے بے امیرِ کارواں اندوہ گیں
تا بہ منزل اب کوئی پہنچے یہ ممکن ہی نہیں

(۴)

کون دے جذباتِ مردہ کو نوید زندگی
کون بخشے ظلمت احساس کو تابندگی
ہے سخن میں کس کے گرمیٔ پیامِ انقلاب
کس کا ہر شہ کار فن ہے آپ ہی اپنا جواب
کس کا اندازِ تکلم صورتِ اعجاز ہے
فکر کس کی طائرِ سدرہ کی ہم پرواز ہے
کس کو اتنی قدرتیں حاصل ہیں نظم و نثر پر
کس کے قابو میں ہیں یوں الفاظ کے شمس و قمر

نوبہارِ گل کو دے گا کون ذوق تازگی
کون غنچوں کو سکھائے گا فسونِ دلبری
کون چمکائے گا اب رخسار صبح لالہ فام
کون سلجھائے گا دستِ فکر سے گیسوئے شام
ہے مزاج زندگی اس درد سے آشفتہ تر
بجلیوں نے پھونک ڈالا گلشن علم و ہنر
اب کوئی دل بستگی گلشن کے پھولوں میں نہیں
وحشتوں کا جوش صحرا کے بگولوں میں نہیں
اٹھ گیا بزمِ جہاں سے واقفِ اسرار فن
مر گیا زینت دہِ اورنگ و دیہیمِ سخن

(۵)

ایکہ وہ تیرے تخیّل نے بحُسنِ آگہی
مضمحل طرزِ بیاں کو روح تازہ بخشدی
اپنے بیگانے مقر ہیں اس کے اے استادِ فن
وقت پر تو نے حریفوں سے بھی لی دادِ سخن
شاعری تیری ہے یا شمع شبستانِ ازل
زندگی ہے جس کے پروانوں کی سوزِ مستقل

فلسفہ رنگ تصوف اور تغزّل کا گداز
تیرے نغموں کے اثر سے ہیں رہینِ سوز وساز
جدتِ تخئیل ہے ہم پہلوئے حسنِ شعور
تیرا انداز سخن ہے طرز عرفی کا ظہور
یہ روانی یہ جزالت اور یہ معراج نظر
ہے بجا کہئے تجھے اردو کا قاآنی مگر
میر و سودا ذوق و غالب کی عجوبہ کاریاں
بخشدی تھیں تجھ کو قسام ازل نے بیگماں
حسن کے خلوت کدے کو اور روشن کردیا
برق طور عشق تھا ہر نالۂ برھم ترا
ہے تری آواز اک پیغام حریت نواز
کارنامہ ہے ترا تعمیر مستقبل کا راز

(۶)

مجھ کو تیری موت نے یہ راز بھی سمجھا دیا
مرگ شاعر جس کو کہتے ہیں وہ ہے عینِ بقا
جس کو حاصل ہو گئی تائیدِ فطرت بالیقیں
انقلابِ دہر سے وہ نقش مِٹ سکتا نہیں

آ نہیں سکتی خزاں اس کی بہاروں پر کبھی
آبیاری خونِ دل سے جس گلستاں کی ہوئی
ناشناسِ مرگ ہے اس زندگی کی ہر سحر
پرورش کرتی ہے جس کو جنبشِ دردِ جگر
جس سمندر کی بنا ہے قطرۂ اشکِ وفا
اس کا طوفاں جزر کی پستی سے ہے ناآشنا
اس لئے کہتا ہوں میں اے شعرِ اردو کے امام
زندۂ جاوید تیرے کارنامے ہیں تمام
ترجمہ ہی اک نہیں ہے مثنوی[1] کا بے مثال
کارفرما نظمِ قرآں[2] میں بھی ہے تیرا کمال
یوں تو ہر اک شعر ہر مجموعے کا ہے انتخاب
کارِ امروز[3] اور سدرہ[4] کا نہیں لیکن جواب
سچ کہا تو نے شہنشاہی ٹھہرتی ہے جہاں
"کارواں شاعر کا اس نقطے سے ہوتا ہے رواں"
کردہ آہنگ رفتن جانب نیلی رواق
طائر بام حقیقت الوداع والفراق

[1] مثنوی مولانا روم
[2] وحی منظوم
[3] مجموعۂ نظم
[4] دیوان سدرۃ المنتہیٰ

معراج

(۱)

شبِ اسریٰ کوئی دیکھے طریقِ محفل آرائی
محیط دو جہاں ہے جلوۂ برقِ تجلّائی
ضیائے طور کی بارش ہے ہر نجمِ درخشاں سے
جھلکتی ہے جبینِ کہکشاں انوارِ عرفاں سے
زمیں پر چاند سورج ہیں کہ ذرّے لالہ زاروں کے
ہیں رشکِ باغِ رضواں ہر طرف جلوے بہاروں کے
ہوائے سرد روئے گلستاں شبنم سے دھوتی ہے
بہر لمحہ گلوں پر بُوئے گل قربان ہوتی ہے
فضائیں رنگ و بُو برسا رہی ہیں دامنِ گلُ پر
گماں ہے نغمۂ فردوس کا فریادِ بلبل پر
چمن فردوس ہے ہر شاخ گل ہے شاخِ طوبیٰ کی
زمیں کو دیکھتی ہیں رفعتیں عرشِ معلّٰی کی
فلک کی وسعتوں میں نور کے قندیل روشن ہیں
مکاں سے جو فضائے لامکاں تک جلوہ افگن ہیں

ہر اک جانب فرشتوں کی جماعت آتی جاتی ہے
فضاؤں سے پرِ جبریلؑ کی آواز آتی ہے

(۲)

حریمِ کعبۂ اقدس میں شمعِ طور روشن ہے
ہر اک گوشے میں رقصاں جلوۂ وادیٔ ایمن ہے
نمایاں ہے ہر اک ذرّے سے ماہ و مہر کا جلوا
جوابِ آسماں ہے سرزمینِ یثرب و بطحا
کسی کا حکم یہ صادر ہوا ہے عرش والوں کو
رکھیں ملحوظ خاطر خیر مقدم کے طریقوں کو
سجائیں روضۂ رضواں کو قانونِ شریعت سے
کریں آراستہ حوروں کو احکامِ طریقت سے
زباں پر ہو سبھوں کی سورہ و آیاتِ قرآنی
ہمارے گھر میں قرآنِ مجسم کی ہے مہمانی
یہاں وہ باعثِ تکوینِ ہستی آنے والا ہے
ہمارے بعد جس کا مرتبہ ہر اک سے اعلیٰ ہے
سلامِ شوق اس کو تحفتہً جبریلؑ پہنچائیں
بُراقِ برق دم اس کے لئے جنّت سے لے جائیں

لے جائیں

بہت فہمیدہ چلتے ہیں بہت سنجیدہ آتے ہیں
نئے آداب جبریلؑ امیں نے آج سیکھے ہیں

(۳)

ازل ہی سے ہر اک ذرّہ ہے شاہد اس حقیقت کا
مرقع ہیں وہ عالم ارتباط حسن و الفت کا
شرر اڑتے ہیں جتنے شمع کی لو سے سرِ محفل
وہی سینوں میں پروانوں کے بن جاتے ہیں سوزِ دل
عیاں ہوتا ہے جس دم معجزہ جذبات پنہاں کا
سرِ منزل پہنچ جاتا ہے قطرہ ابرِ نیساں کا
نیاز شوق کا یہ پاس ہے خورشید عالم کو
اٹھا لیتا ہے فرش خاک سے قطراتِ شبنم کو
ورائے عقل انساں کیوں نہ ہوں یہ راز کی باتیں
سمجھ ہی میں نہیں آتیں نیاز و ناز کی باتیں
وہ سروِ باغ عرفانی، گلِ گلزار یزدانی
ازل کے دن سے ہے جو نو بہارِ گلشنِ ہستی
بلایا جا رہا ہے عرش پر ماحولِ وحدت میں
کہ دیکھیں دیکھنے والے وہ کیا کیا ہے حقیقت میں

میانِ واجب و ممکن اگرچہ حدِ فاصل ہے
جُدا کہنا مگر دونوں کو اک آہنگ باطل ہے

(۴)

کہا جبریلؑ نے آتے ہی اے سردارِ دو عالم
ہوں لامحدُود صلواۃ الٰہی آپ پر ہر دم
سرِ عرش آپ آجائیں یہی ہے حکم یزدانی
براق آیا ہے چلیے سُوئے خلوت گاہ ربّانی
چلے آپ اور جبریلؑ امیں تھے رہبرِ منزل
قریبِ سدرہ بولے اب بڑھوں آگے یہ ہے مشکل
بڑھوں کیا اس تصور سے بھی میرا رنگ رخ فق ہے
بس آگے آپ ہیں اور رہبری ذاتِ مطلق ہے
یہ سُن کر وادیٔ تجرید کی جانب بڑھے تنہا
چلے جاتے تھے اور طے ہو رہی تھی سرحدِ الّا
مُنزہ تھا جہات و سمت سے لاہُوت کا عالم
گزرتے جا رہے تھے عالمِ امکاں سے آپ ہر دم
جگر، دل، روح تھے تفسیرِ متنِ عشق کے دفتر
ز سر تا پا تھے خود اک جلوۂ معبود کا مظہر

کچھ اس انداز سے اُٹھا حریم ناز کا پردا
میانِ واجب و ممکن تھی حائل رمز اَوادنیٰ

(۵)

حریم قدس میں تھی جلوہ فرما شانِ یکتائی
سراپا آب تھے چشم حقیقت سے تماشائی
تجلی پھُوٹ نکلی تھی حجاب حُسن وحدت سے
تھی چشمک زن جو پیہم جلوۂ ماہ رسالت سے
حقیقت کیا تھی مازاغ البصر کی کوئی کیا جانے
خدائے دو جہاں جانے رسُولِ دوسرا جانے
وَرائے عقل ہے جب ماوے کی جلوہ سامانی
پرے ادراک سے ہے مرکز اذواق رُوحانی
ہو پھر تشریح کیونکر وصل توحید و رسالت کی
تعیّن سے ہیں بالا رفعتیں بامِ حقیقت کی
یہاں خاموش ہو جائے یہی لازم ہے انساں کو
فریب وہم باطِل سے بچالے دین و ایماں کو
اَلَم حادثہ ہے تو روک اپنی طبع عرش پیما کو
نہیں لازم کہ صحرائے قدم میں گام فرسا ہو

عیاں جب ہو چکے سب اس کے دل پر رازِ پنہانی
تو لوٹا خلوت و حارت سے وہ محبوبِ ربّانی

میں کہاں ہوں

بہارِ گل کبھی دورِ خزاں ہوں — رہینِ انقلابِ آسماں ہوں
تباہیٔ چمن کا رازداں ہوں — خزاں پرور وہ شاخِ آشیاں ہوں
ازل ہی سے ہوں جب مقصودِ ہستی — تو پھر کیوں ذہنِ ہستی پر گراں ہوں
ثبوتِ زندگی تو ہوں اگرچہ — حباب آسا سرِ موج رواں ہوں
مجھے معلوم ہے وقتِ رسائی — شناسائے نگاہِ پاسباں ہوں
میں خود اٹھا ہوں خود برباد ہوں گا — سرِ منزل غبارِ کارواں ہوں
نیاز و ناز تمہیدِ خودی ہیں — میں بیزارِ جبین و آستاں ہوں
ہے الفت حسن کی تفسیرِ خاموش — بیاں تم اور میں حسنِ بیاں ہوں
تمہیں چھائے ہوئے ہو دو جہاں پر — تو اب تم ہی بتاؤ میں کہاں ہوں

ہے میری ہر فنا اک دورِ ہستی
الم میں زندگی جاوداں ہوں

قطعہ

کہا اک صاحبِ دانش نے مجھ سے
خبر ہے کچھ زمانے کی تمہیں بھی
بغاوت کی ہوائیں چل رہی ہیں
عقیدت کا نہیں کوئی بھی حامی
جسے دیکھو ہے آزادی کا شیدا
ہے اب حفظِ مراتب بھی غلامی
کوئی نقاد ہے کوئی مبصر
مگر ہیں سب اصولِ فن سے عاری
کسی کے زیرِ مشقِ تبصرہ ہیں
قوامی انوری جامی نظامی
بہر جانب باثبات و دلائل
بیندازد کسے ایں تیرِ حکمی
ہیں سب بیکار سودا کے قصیدے
ہے میر و درد کی غزلوں میں خامی
ہے پھیکا رنگ شعرِ مصحفی کا
کہاں انشا میں ہے سنجیدہ شوخی
ہے ناسخ کے یہاں بیجا ثقالت
اور آتش نا شناسِ نکتہ دانی
بیانِ ذوق ہے تو عامیانہ
ہے غالب مجرمِ صد بے اصولی
ہے مومن کے یہاں بھی دخلِ اہمال
امیر و داغ تو ہیں صرف عامی

ہے دورِ اقبال سہل الممتنع سے
فقط سیماب میں ہے کہنہ مشقی
صفی ہو یا ہو سائل یا ہو حسرت
یہ سب ہیں رہروِ راہِ مجازی
جلیل و اصغر و جوش و جگر میں
نظر آتی نہیں ہے کوئی خوبی

المؔ ہر صنف میں کہتا ہے مشکل	قصیدہ ہو غزل ہو یا رباعی
کہا سُن کر یہ اس سے میں نے اے دوست	ہوا کرتے ہیں سب حاسد مراقی
نہیں ہیں ان کی باتیں قابلِ غور	دماغ و دل ہیں اِن سب کے جنونی
ہیں جتنے معترض ان سب سے کہدے
جوابِ جاہلاں باشد خموشی

تین شعر

کِھلتا ہے یہ بھی وقت پر اپنے مثالِ گلُ	کیا اپنے دل کے داغ کا رکھ دوں بہار نام
سرجوشیٔ عبودیتِ عبد دیکھیے	خاکی لب اس خاک وطن خاکسار نام
میں تو مذاقِ اہلِ چمن پر نثار ہوں	دل کی شگفتگی کا رکھا ہے بہار نام

حسیّات

شک بھی کرتا ہے یقیں بھی اُن کی ہر اک بات پر	یہ مرا کمبخت دل ناداں بھی ہے دانا بھی ہے
اِن چمن والوں سے یہ کہدے کوئی وقتِ بہار	کِھل کے ہر اک پھول کو گلشن میں مرجھانا بھی ہے
اس نے یہ کہکر المؔ کو بزم سے اُٹھوا دیا	ناشناس رسمِ محفل بھی ہے بیگانا بھی ہے

سلطان ٹیپو

ایکہ وہ عرش خودی عشق ہے تیرا مقام — تیری مرگ زندگی افروز پر لاکھوں سلام
سکۂ جرأت پہ تیرا نام کندہ ہے ابھی — ہنس رہی ہے موت پر تیری حیاتِ سرمدی
زعم باطل پر لگائی ضرب کاری بر محل — دی غرور نفس کو تو نے شکستِ مستقل
اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے تیرا احتجاج — مر کے جینا ہے فقط دردِ غلامی کا علاج
مبتذل جس کے لئے عزت غلامی کی نہیں — وہ جہاں میں رازدارِ شانِ آزادی نہیں

تو نے دی عمر وفائے شوق کو پائندگی
رقص کرتی ہے ترے عزم جواں پر زندگی

بعد مردن بھی حریف گردش تقدیر تھا — آہنی پنجے میں تیرے قبضۂ شمشیر تھا
زندگی و مرگ ہیں اہل وفا کی رہ گزر — مرکز تکمیلِ روحانی ہے ان کا مستقر
خامشیٔ موت خود اک گرمیٔ پروانہ ہے — دودِ شعلہ زندگیٔ شوق کا ہمراز ہے
قلبِ ہر ذرہ میں ہے خورشید کی تابندگی — اٹھ رہی ہے قلزم ہستی سے موجِ زندگی
مردِ حُر کا ہر نفس ہے معنیٔ ام الکتاب — اسکی تقدیس عمل ہے بے نیاز احتساب

ہو کے اسکی روح جذب عشق میں پردہ نشیں
ہے صلاح الدین ایوبی کہیں ٹیپو کہیں

وجد و رقص

وہ چہ کارے شد ز دستم یللّٰے
دامِ ہستی را شکستم یللّٰے

در حریمِ دل گرفتم جائے خویش
از حرم وز دیر رستم یللّٰے

لذّتِ غم من بطورِ ہدیہ
در حضورِ جاں فرستم یللّٰے

ساقیا معذور دارم از شراب
من بغیرِ بادہ مستم یللّٰے

ایکہ می پرسی ز کیش و مشربم
بگذر از من ہر کہ ہستم یللّٰے

عشق بر من گفت صد ہا آفریں
چوں ز دامِ عقل رستم یللّٰے

بر دو عالم تا دمِ آخر الم
تہمتِ ہستی نہ بستم یللّٰے

ہلال عید چہ گفت

نگاہم رفت سوئے آسماں رقصیدہ رقصیدہ
بدیدم من ہلالِ عید را کاہیدہ کاہیدہ

بحیرت گفتمش اے قاصد پیغام تہنیت
بگو با من چرا گردیدۂ رنجیدہ رنجیدہ

بگفتا ماہ نو اے سرخوش ذوق نوا سنجی
نمی دانی کہ من چوں گشتہ ام ترسیدہ ترسیدہ

قیامت بر قیامت آفریدہ شورش باطل
نماید پائے حق در زندگی لغزیدہ لغزیدہ

زجور حملۂ بادِ خزاں در گلشن ہستی
بہ بینم کائناتِ رنگ و بُو لرزیدہ لرزیدہ

تلاطم در تلاطم الحذر تا دامن ساحل
رسیدہ موجۂ طوفان غم جنبیدہ جنبیدہ

زمانہ آنقدر گردیدہ از احساس بیگانہ
کہ شنود نالۂ مظلوم را خندیدہ خندیدہ

رہِ دیگر گرفتہ سالکان جادۂ منزل
ہمہ بودند گو در رہروی سنجیدہ سنجیدہ

نشستہ اند یارانِ وفا در گوشۂ حیرت
نظر زدیدہ ز دیدہ جگر پاریدہ پاریدہ

سبب این است کہ در شام تہنیت وجود من
نظر آید الم چشم ترا، کاہیدہ کاہیدہ

دو شعر

فصل جنوں طراز نہیں موسم بہار
پہچانتا ہوں جلوۂ دیوانہ گر کو میں

منزل پہ بھی پہنچ کے یہ عقدہ نہ کھل سکا
لایا ہے راہبر مجھے یا راہبر کو میں

گاندھی

عطا کر دی زمینِ ہند کو پھر زندگی تو نے
کیا ظلمت کدے میں انتظامِ روشنی تو نے

نظر والے تہِ دل سے تری شکتی کے قائل ہیں
کہ اک جھٹکے میں زنجیرِ غلامی توڑ دی تو نے

کیا اخلاق سے تسخیر دُنیائے عداوت کو
بنایا دوست ہر دشمن کو اپنے واقعی تو نے

گھٹایا اطلس و زربفت کے رُتبے کو کھدّر سے
سنواری حسنِ جاں پرور سے طرزِ سادگی تو نے

بنایا ظلم کا جس نے نشانہ تیری ہستی کو
کیا اس کو بھی مرتے دم سلامِ آخری تو نے

وہی انساں ہے جو کام آئے انساں کے مصیبت میں
یہی سمجھا تھا منشائے حیاتِ آدمی تو نے

اگرچہ جسم تھا تیرا مُرقّع ناتوانی کا
ٹپکتا تھا مگر چہرے سے عالم نوجوانی کا

تو پوشیدہ ہے یوں تو اہلِ عالم کی نگاہوں سے
مگر جلوے دکھا جاتا ہے دلمیں دل کی راہوں سے
اثر لیتا تھا تیرا قلب مظلوموں کی آہوں سے
تجھے نفرت رہی عشرت کدوں کی جلوہ گاہوں سے
بٹھا دیتا تھا سکہ اپنی درویشی کی عظمت کا
ملاتا تھا نگاہیں جس گھڑی دولت پناہوں سے
بڑی حیرت میں ہیں یہ دیکھ کر تیغ و سپر والے
حکومت تو نے لی درویش بن کر بادشاہوں سے
شکستوں پر شکستیں تو نے دی تہذیبِ مغرب کو
اُبھارا مشرقی تہذیب کو اُلفت کی راہوں سے
سیاست کی حقیقت کیا ہے اور منشائے مذہب کیا
ترا ادراک تھا آگاہ اِن دشوار راہوں سے

شناسائے ورودِ صبحِ منزل بیگماں بودی
کہ در راہِ وفائے شوقِ میرِ کارواں بودی

لیاقت علیخاں[1]

منزلِ قدس میں بخشا گیا آرام تجھے
لے کے پہنچا ہے کہاں عشق کا انجام تجھے

خونچکاں دیکھ کے جنت میں ترا پیراہن
مرحبا کہنے لگا جلوۂ ہر بام تجھے

سرفرازی ابد فیضِ شہادت سے ملی
دے گئی دادِ وفا مرگِ خوش انجام تجھے

مال کیا جان بھی دے دی زہے تسلیم و رضا
کتنے محبوب تھے اللہ کے احکام تجھے

زندگانی تھی تری حسنِ لیاقت کا ظہور
کر گیا زندۂ جاوید ترا نام تجھے

مصلحت ہوگی کوئی جان کی پروا جو نہ کی
پورے کرنے تھے ابھی ورنہ کئی کام تجھے

عرش والے تجھے کہتے ہیں شہیدِ ملت
یہ ملا جذبۂ ایثار کا انعام تجھے

دے سکے حادثے احساس کو تیرے نہ شکست
حبذا کہتی رہی گردشِ ایام تجھے

کیف نے جس کے تری روح کو بدمست کیا
ساقیِ بزمِ وفا نے وہ دیا جام تجھے

موت بھی روک سکی عزمِ جواں کو نہ ترے
دے دیا وقت پہ دینا تھا جو پیغام تجھے

دل سے کرتا ہے دعا یہ المِ خاک نشیں
سایۂ عرش میں ملتا رہے آرام تجھے

۱؎ وزیر اعظم پاکستان

غزلیات

وفا را گرم می دارد دلِ شعلہ نوازِ من
پرِ پروانہ می رقصد ز شمع جاں گدازِ من

(دالم)

(۱)

اسیری کی فضائے تنگ میں ایسی فغاں کر لے
قفس کی شام سے پیدا جو صبحِ آشیاں کر لے
بڑھا دے اپنی رُودادِ وفا کی اور تاثیریں
محبّت کے فسانے کو شریکِ داستاں کر لے
بہار افروز ہیں شعلے جہاں برقِ حوادث کے
مُرتّب پھر اسی گلشن میں اپنا آشیاں کر لے
حقیقت میں تو خود افشائے رازِ دل کا باعث ہے
کہا تھا کس نے تجھ سے اعتبارِ رازداں کر لے
کسی کے در پہ یوں توہینِ سجدہ اے معاذَاللہ
اُٹھا سر اور پیشانی کو اپنی آستاں کر لے
خودی نا آشنا ہے اور رازِ غم سے بیگانہ
جو اپنے ہی گریباں کو جنوں میں دھجّیاں کر لے
تھکے ماندے بھی منزل پر پہنچ جائیں بآسانی
کوئی تدبیر ایسی اے امیرِ کارواں کر لے
ہوائے گرمِ دشتِ عشق کے وہ لطف کیا جانے
پرِ پرواز کو جو وقفِ صحنِ بوستاں کر لے

بہار آئی ہے ہر شاخِ چمن پر پھول کھلتے ہیں
سرشکِ خوں سے رنگیں تو بھی شاخِ آشیاں کر لے
حدودِ فکر تک رازِ محبت کو نہ آنے دے
چھپا اتنا اسے دل کی نظر سے بھی نہاں کر لے
میں ساحل پر پہنچنے کے لئے طوفاں میں ڈوبا ہوں
مرے پیغام کو محفوظ ہر موجِ رواں کر لے
وہ اپنے وقت کا ہے میرؔ بھی غالبؔ بھی مومنؔ بھی
زمینِ شاعری کو اے المؔ جو آسماں کر لے

(۴)

خزاں کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے تو بہار اب بھی
نظر آتا ہے ہر جلوہ چمن کا سوگوار اب بھی
شرارے موجزن ہیں جنبشوں میں نکہتِ گل کی
ہے تکلیف نگاہ شوقِ صبح لالہ زار اب بھی
فریبِ رنگ و بُو کی ہے وہی پہلی سی بیدردی
کہ دُودِ آتشِ گل سے ہے شبنم اشکبار اب بھی
محبت دے چکی پیہم شکستیں نازِ بیجا کو
مگر سرگرمِ شوخی ہے نگاہِ شرمسار اب بھی

کیا گمراہ اک عالم کو جن کے زعمِ باطل نے
نہیں ہوتے ہیں وہ شرمندۂ انجام کار اب بھی

بنا ذوقِ طلب کو راہبر اے رہروِ منزل
پتہ دیتے ہیں منزل کا نقوشِ رہ گزار اب بھی

مرا ہر اک نفس ہے ترجماں سوزِ محبت کا
سراپا ہوں کمالِ زندگی کی یادگار اب بھی

جو گرما دے گی افسردہ مزاجیٔ گلستاں کو
لئے بیٹھا ہوں آنکھوں میں وہ برقِ شعلہ بار اب بھی

مجھے کیا دیں گے دھوکا جلوۂ باطل کے ہنگامے
نگاہ و دل پہ میں رکھتا ہوں پورا اختیار اب بھی

مذاقِ درد میں کچھ بجلیاں سی کوند جاتی ہیں
کہیں برقِ تجلّٰی کو ہے میرا انتظار اب بھی

فضاؤں میں نئی تنظیم کے آثار پیدا ہیں
زمانہ انقلابِ نو کا ہے آئینہ دار اب بھی

اَلَم دل سے جگر تک موجزن دریائے آتش ہے
مگر شغلِ فغاں مجھ کو نہیں ہے سازگار اب بھی

(۳۳)

دیوانۂ تاثیر نہ ہو محوِ دعا دیکھ
محرومیِ جاوید ہے، اُلفت کا صلا دیکھ

جو غنچہ تھا وہ گُل ہے جو گُل تھا وہ چمن ہے
پابندِ ہوس رتبۂ تسلیم و رضا دیکھ

بے مہریِ یارانِ چمن سے نہ ہو بے دل
کچھ روز ابھی اور گلستاں کی ہوا دیکھ

ہے شاخِ نشیمن پہ تصرف بھی غنیمت
شبنم کے تحمل کو سر خار ذرا دیکھ

آ ہوش میں اے راہروِ جادۂ منزل
رہزن ہے وہ سمجھا ہے جسے راہنما دیکھ

ساقی نہیں بے وقت یہ رندوں کے تقاضے
موسم کے اشاروں کو سمجھ ابر و ہوا دیکھ

لایا ہے تجھے وقت پہ ہر پردے سے باہر
یہ ذوق تماشا مرا اے جلوہ نما دیکھ

پاکیزگیِ دل کو بچا ذہن و نظر سے
نزدیک خرد حیرتیِ عشق نہ جا، دیکھ

رہنے دے یونہی داغ محبّت کو فروزاں
اس پھول کے شعلوں کو نہ اشکوں سے بُجھا دیکھ
ہمرنگ گل و شمع نہ گریاں ہوں نہ خنداں
ہے میری خموشی مرا پیغامِ وفا دیکھ
کانٹے رہِ منزل کے سنبھلنے نہیں دیتے
یہ وقت سہارے کا ہے اے لغزشِ پا دیکھ
ہے شیشۂ دل مرکزِ انوارِ حقیقت
آتا ہے الٓم اس میں نظر عرش خدا دیکھ

(۴)

بلائے جاں تھا مرا نالۂ رسا کہ نہیں
ہوا سے ٹوٹ گیا دل کا آبلا کہ نہیں
گرا نہ دامنِ رنگیں سے آنسوؤں کو مرے
بہارِ گل سے ہے شبنم کا واسطا کہ نہیں
عروج زندگی عجز و انکسار نہ پوچھ
میں خاک ہو کے دو عالم پہ چھا گیا کہ نہیں
ہٹا نہ مرتبہ نفس خودنمائی سے
ہے پائمالِ سرِ جادہ نقشِ پا کہ نہیں

حرم میں دیر میں ڈھونڈا کیا جسے برسوں
حریم گوشۂ دل میں تجھے ملا کہ نہیں

تعینات کے پردوں سے آرہے ہو نظر
ہر اک حجاب نظر سے اٹھا دیا کہ نہیں

لحد کو آخری منزل سمجھ کے آیا ہوں
یہاں تو ٹھہرے گی عمرِ گریز پا کہ نہیں

امیدِ جلوہ میں ہم تا بہ حشر آتو گئے
یہاں بھی پیشِ نظر کوئی آئے گا کہ نہیں

الٹنے ہی کو تھا میں پردۂ مجاز مگر
کسی نے چپکے سے یہ دل میں کہہ دیا کہ نہیں

اسے خبر ہے جو ہر راہ میں ہے سجدہ گزار
جبیں نواز ہے ہر اُن کا نقش پا کہ نہیں

گریز اور تری مصلحت سے ناممکن
تو ہی بتا کہ میں مانگوں کوئی دُعا کہ نہیں

کسی نظر سے بھی ان کی نہ کر سکا معلوم
ہُوا ہے طے ابھی دل کا معاملا کہ نہیں

سمجھ رہے تھے تم آساں رہِ وفا کو الم
ہے ذرّہ ذرّہ یہاں ہمت آزما کہ نہیں

(۵)

منزلِ دہر کو آرام کی منزل نہ بنا
بے خبر ہوش میں آ موج کو ساحل نہ بنا
عشق کو مشورۂ عقل سے کیا نسبت ہے
کارِ آساں کو خدا کے لئے مشکل نہ بنا
بحرِ الفت میں کہاں ٹھہری کشتیٔ حیات
موج سے موج تو بنتی رہی ساحل نہ بنا
اپنی فطرت پہ ہر اک شے ہے کمالِ فطرت
دل کو دل رہنے دے کونین کا حاصل نہ بنا
خضرِ منزل کا ہے کیا ذکر رہِ الفت میں
اپنے دل کو بھی یہاں رہبرِ منزل نہ بنا
کام اب اور کوئی حسنِ تغافل سے نہ لے
میرے مرنے کو مرے واسطے مشکل نہ بنا
زیب دیتی نہیں انسان کو تلخیٔ کلام
گفتگو کو سبب برہمیٔ دل نہ بنا
چوٹ کھا کر بھی بدلتی نہیں افتادِ مزاج
آئینہ ٹوٹ کے آئینہ رہا دل نہ بنا

ایک ہی جلوے کو مقصودِ نظر ٹھہرا لے
دیدۂ شوق کو ہر جلوے کی منزل نہ بنا
ہر نظر سے نیا اک جلوہ عالم پیدا کر
اور کسی جلوے کو بھی پردۂ حائل نہ بنا

(۶)

وابستہ انقلاب تھا بیچارگی کے ساتھ
دُنیا سمٹ گئی نگہِ ملتجی کے ساتھ
اب مستیٔ جنونِ محبّت کا ذکر کیا
اک خواب تھا گیا جو شبِ زندگی کے ساتھ
شوخی نہیں یہ ترکِ ادب ہے بہار میں
پھولوں کو چھیڑتی ہے صبا دل لگی کے ساتھ
وہ ہر طرف ہیں بزمِ تعیّن میں جلوہ گر
آنکھوں سے دل کی دیکھ ذرا خامشی کے ساتھ
بے فائدہ ہے سجدہ گزاریٔ صبح و شام
جب دل ہی جھک سکا نہ سر بندگی کے ساتھ
آسان ہوں گی راہ کی دشواریاں تمام
گرمِ سفر ہو ہمتِ منزل رسی کے ساتھ

پوشیدہ ہے نظر سے تری مقصدِ فنا
کچھ لطفِ زندگی ہے تو ہے موت ہی کے ساتھ
مجھکو نہ دیکھ شانِ کرم پر نگاہ کر
مجھ سے خطا ہوئی ہے مگر بےبسی کے ساتھ
ہوں مستحقِ دادِ وفا تیری بزم میں
تو دیکھ تو مجھے نظرِ منصفی کے ساتھ
ہوتا ہے اس سے فرقِ مراتب کا امتیاز
ظلمت بھی لازمی ہے الم روشنی کے ساتھ

(۷)

طائرِ سدرہ پہ میرا نہ کھلے راز کہیں
اس لئے میں ہوں کہیں اور مری پرواز کہیں
پردۂ جوہرِ آئینہ اُٹھا کر دیکھوں
آئینے ہی میں نہ ہو آئینہ پرداز کہیں
حد سے آگے چمنِ دہر میں اُڑنے والے
دے گی دھوکا تجھے بے ضابطہ پرواز کہیں
دیدۂ شوق سے کی سیرِ دو عالم تو کھلا
تم کہیں، جلوہ کہیں جلوہ گہہ ناز کہیں

آتشِ نغمہ بھڑکنے لگی مطرب ہشیار
ساز کو پھونک نہ دے شعلۂ آواز کہیں

ذوقِ نظارہ میں دل میں کہ مذاقِ دل میں
ہے تو محفوظ نگاہ غلط انداز کہیں

منزلِ عرش پہ دم لینے کو ٹھہروں تو مگر
دم بھی لینے دے مجھے لذّتِ پرواز کہیں

تو نے سمجھا ہے جسے جلوۂ تشریف بہار
طائرِ رنگ چمن کی نہ ہو پرواز کہیں

مجھ کو عرفانِ حقیقت نے یہ سمجھایا ہے
ہے وہی راز کہ جو رہ نہ سکے راز کہیں

دل کے مٹنے پہ ہر اندازِ فغاں پھیکا ہے
لطف دیتا ہے الم نغمۂ بے ساز کہیں

(۸)

بفیضِ عشق احساسِ غمِ دَوراں نہیں ہوتا
مجھے طوفاں میں بھی اندیشۂ طوفاں نہیں ہوتا

وہ ساحل ناخدا ساحل نہیں ہے بحرِ ہستی میں
کہ پنہاں جس کے دامن میں کوئی طوفاں نہیں ہوتا

گہر بن جائے یا تارہ مگر پھر بے حقیقت ہے
وہ قطرہ جو نصیبِ دیدۂ گریاں نہیں ہوتا

خطائے رازداں کیسی قصورِ چشمِ اُلفت کیا
محبّت راز ہی ایسا ہے جو پنہاں نہیں ہوتا

فغانِ دل سے ہے فریادِ آوارہ کو کیا نسبت
ہم آہنگِ سلاسل نالۂ زنداں نہیں ہوتا

یہاں کس سے لگائیں دل ہے بیگانہ سی ہر اک شے
ذرا بھی اعتبارِ محفلِ امکاں نہیں ہوتا

بہر عالم ہے گو صبر آزما نیرنگیٔ جلوہ
مگر حیراں مذاقِ دیدۂ حیراں نہیں ہوتا

وہ یہ کہہ کر سپردِ اہلِ گلشن کر گئے مجھکو
ہر اک وحشی ہمارا قابلِ زنداں نہیں ہوتا

حقیقت بھی نظر آتی ہے باطل کیوں خدا جانے
نظر کے سامنے جب پردۂ امکاں نہیں ہوتا

محبّت جذبۂ معصوم ہے، تائیدِ فطرت ہے
بغیر اس کے مکمل دعویٔ ایماں نہیں ہوتا

وہ کیوں ہو زندگی میں مستحقِ لطفِ آزادی
جسے زنداں میں عرفانِ غمِ زنداں نہیں ہوتا

امید و بیم کی آویزشیں مرنے نہیں دیتیں
محبّت میں الم یہ کام بھی آساں نہیں ہوتا

(۹)

تری نگاہوں کی میرے ساقی کوئی بھی ایسی ادا نہیں ہے
کہ جس کی رنگینیوں کے پردے میں میکدہ جھومتا نہیں ہے
بہار آئی مگر شگفتہ مزاجِ گلشن ہوا نہیں ہے
ابھی تو شبنم کا کوئی قطرہ جبینِ گل پر سجا نہیں ہے
جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا وہ خبر تجھے ہم نوا نہیں ہے
یہ اٹھ رہا ہے دھواں کہاں سے اگر نشیمن جلا نہیں ہے
حدِ تخیل کی وسعتوں سے اگر خدا ماورا نہیں ہے
تو پھر ہے تخلیق ذہنِ انساں قسم خدا کی خدا نہیں ہے
وہ سانس آتی ہے کیوں لبوں تک نہیں جو دمساز نالۂ دل
ضرورت اس کی ہے ساز میں کیا جو پردہ نغمہ سرا نہیں ہے
صعوبتِ راہ سے نہ گھبرا قدم اٹھا جلد اے مسافر
کہ سعیٔ کامل سے تا بمنزل کوئی بڑا فاصلہ نہیں ہے
جگر کا ہر زخم داغ ہے اب نہ جانے کیا اور گل کھلے گا
تصرف سوزشِ نہاں کی سنا ہے کہ انتہا نہیں ہے

گھرا رہے گا تلاطموں میں وہ تا بہ ساحل نہ جا سکے گا
بھنور سے ٹکرا کے جو سفینہ بھنور ہی میں ڈوبتا نہیں ہے

وہ دل کہ خونِ وفا سے جس کے چمن میں آئینگی پھر بہاریں
بنے گا تو خاکِ گلستاں سے مگر ابھی تک بنا نہیں ہے

حریمِ حسنِ ازل کی جس نے فضاؤں کو جگمگا دیا تھا
وہ شعلۂ تابناک دل میں ابھی ہے روشن بجھا نہیں ہے

دلِ حزیں میں ہوا نہ پیدا شگفتگی کا کوئی بھی عالم
مرے چمن میں یہی تو غنچہ ہے وہ کبھی جو کھلا نہیں ہے

وہ آشیاں کے قریب آ کر جو کوندتی ہے تو کوندلے وہ
مرے نشیمن کو پھونک ڈالے یہ برق کا حوصلا نہیں ہے

نظر کسی کی تھی محوِ جلوہ، تھا جلوہ ذوقِ نگاہ میں گم
یہ واقعہ ہے گلی کا ان کی یہ طور کا ماجرا نہیں ہے

جگا کے چھوڑوں گا راہِ منزل میں سونے والوں کو ایک دن میں
پیامِ منزل ہے میرا نالہ یہ شور بانگِ درا نہیں ہے

الم بظاہر تو پارسا ہے مگر وہ پیتا ہے روز چھپ کر
اور اس طرح خلوتوں میں گویا اُسے کوئی دیکھتا نہیں ہے

(۱۰)

جب سے دیا ہے عشق نے درسِ خودی مجھے
آنے لگا ہے راس غمِ زندگی مجھے

صحنِ چمن کے اور ہی تیور تھے ہم صفیر
جب موج بوئے گل سے تھی دل بستگی مجھے

حسنِ تصرفاتِ محبّت کا شکریہ
بیتابیوں میں سحر کی نیند آ گئی مجھے

موجوں سے بحرِ غم کی یونہی کھیلتا رہوں
ساحل نظر نہ آئے الٰہی کبھی مجھے

ہے فرض خیر مقدمِ تشریفِ نو بہار
اُٹھنے دے اے ہجومِ غمِ بیکسی مجھے

صیّاد و برق سے تھا کچھ اس طرح مطمئن
اُمیّد انقلابِ چمن میں نہ تھی مجھے

سب تھے متاعِ ہر دو جہاں لے کے شرمسار
جب آپ نے امانتِ غم سونپ دی مجھے

عرفانِ رازِ عشق سے خود راز بن گیا
اک درسِ بیخودی تھا شعورِ خودی مجھے

بنّت گزار خضرِ طریقت نہیں ہوں میں
منزل پہ میری فطرتِ دل لے گئی مجھے
اہلِ نگاہ بھی جسے انسان کہہ سکیں
ایسا یہاں مِلا نہ کوئی آدمی مجھے
روزِ ازل سے ہوں میں اکم میکدہ نشیں
دستورِ جام و بادہ سے ہے آگہی مجھے

(۱۱)

زبانِ شمع پر جب عشق کا افسانہ آتا ہے
تو جلنے کے لئے دل بن کے ہر پروانہ آتا ہے
بہاریں گر نہیں پیغام ذوقِ بادہ نوشی کا
تو کیوں ہر گل چمن میں صورتِ پیمانہ آتا ہے
نوازش عفوِ بے حد کی ہے شاید جرمِ بے حد پر
کہ ہر اشکِ ندامت آج بے تابانہ آتا ہے
سُلا دے شورشِ ہر موجِ طوفاں کو جو دم بھر میں
لبِ خاموشِ ساحل کو بھی وہ افسانہ آتا ہے
کبھی ہے ذوقِ نظارہ کبھی نیرنگئ جلوہ
وہ اک پردہ نشیں افسانہ در افسانہ آتا ہے

جو تو چاہے سنبھالے گرنے والوں کو سرِ محفل
تجھے ساقی علاجِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

سحر تک خونِ ناحق بزمِ عشرت میں ہوئے لاکھوں
اُڑاتا یہ خبر ہر اک پرِ پروانہ آتا ہے

ہر اک ذرے میں جس کے سینکڑوں گلشن ہیں پوشیدہ
جنوں کی راہ میں ایسا بھی اک ویرانہ آتا ہے

میں خود منزل ہوں یا منزل پہ سرگرمِ تماشا ہوں
نظر مجھکو ہر اک سو جلوۂ جانانہ آتا ہے

ابھی پردے میں دُخترِ رز کو رہنے دو کہ محفل میں
الم اک ناشناسِ مشربِ رندانہ آتا ہے

(۱۲)

بہارِ گل کسی دن خود ہی وجہ برہمی ہوگی
سبب تاراجیٔ گلشن کا پھولوں کی ہنسی ہوگی

بھرا ہے موتیوں سے دامنِ ساحل کا ہر گوشہ
ادھر بھی آج کوئی موجِ طوفاں آگئی ہوگی

ہوائیں بندھ رہی ہیں جس فغانِ عرش پیما کی
کوئی دھیمی سی آوازِ ربابِ زندگی ہوگی

ڈبونا ہے تو پھر اک دم ڈبو دے بحرِ ہستی میں
مری کشتی سے کب تک موجِ طوفاں دل لگی ہوگی

حریمِ حُسن کی بیداریوں کا میں نہیں مجرم
بغیر قصد کوئی آہ لب تک آ گئی ہوگی

یہ بعدِ مرگ پھر کیسی نویدِ زندگانی ہے
کہا تھا آپ نے تسکین آخر موت ہی ہوگی

تری محفل میں اور گنجائشِ تقریر ناممکن
یہاں تو ترجمانِ دل زبانِ خامشی ہوگی

خمار آلُودہ تاروں سے یہ ہر دم پوچھتا ہوں میں
کہ میری زندگی میں شامِ غم کی صبح بھی ہوگی

کبھی محروم جلوہ ہو نہیں سکتی دو عالم میں
نظر جو دل کی جانب بزمِ جاناں میں جھکی ہوگی

طلب میں دونوں عالم کی جھکا رکھا ہے کیوں سر کو
یہ رسمِ بندگی اک دن عذابِ دائمی ہوگی

الم سجدہ کیا تھا سب سے پہلے حُسن کو جس نے
یہ میرا فیصلہ ہے وہ جبینِ آدمی ہوگی

(۱۴)

خودی نا آشنا میرا مذاقِ بے خودی کیوں ہو
سحر جس کی نہ ہو وہ میری شامِ زندگی کیوں ہو

جہاں کا ذرّہ ذرّہ جب اسیرِ دامِ وحشت ہے
ترا دیوانہ پھر پابندِ رسمِ آگہی کیوں ہو

نئے عالم بفیضِ انقلاب اے کاش پیدا ہوں
یہی دُنیا نئے پہلو بدل کر پھر نئی کیوں ہو

نہ خطرہ ہو خزاں کا گر بہارِ باغِ ہستی کو
شگفتِ گُل سے ہر لمحہ عیاں آشفتگی کیوں ہو

تلاش و جستجو کی لذتیں برباد ہوتی ہیں
رہِ اُلفت میں گمراہوں کی اُن کے رہبری کیوں ہو

نہیں جب بارگاہِ عشق کا ہر راز پوشیدہ
تو بزمِ حسُن کی ہر داستاں ناگفتنی کیوں ہو

حقیقت سو کے جاگ اٹھنے کی جب سب پہ ہویدا ہے
جسے کہتے ہیں مرنا پھر وہ مرگِ زندگی کیوں ہو

نہیں اے ناخدا منظور طوفاں کو جو بربادی
تو ہر لمحہ مری کشتی سے ناحق دل لگی کیوں ہو

جو انساں ہیں تڑپ جاتے ہیں غیروں کی مصیبت پر
جو ہو نا آشنائے دردِ و غم وہ آدمی کیوں ہو
حقیقت ہیں الٓم دُنیا ہے سوزِ غم سے بیگانہ
یہاں رُسوا ہمارا اضطرابِ عاشقی کیوں ہو

(۱۴)

ناقوس برہمن سے تکبیر سے اذاں سے
آواز آ رہی ہے اُن کی کہاں کہاں سے
یہ بحث ہو رہی ہے گلشن میں باغباں سے
کانٹے قریب ہیں کیوں ہر پھول کی زباں سے
وہ اپنے ہر قدم پر ہے کامیاب منزل
آزاد ہو چکا جو تقلیدِ کارواں سے
تنکوں کی جنبشوں کے تیور بتا رہے ہیں
کچھ سازِ آشیاں کا ہے برق آسماں سے
بربادیٔ چمن کے باقی جو کچھ نشاں تھے
شبنم نے دھو دئے ہیں دامان گلستاں سے
ذرّے رہِ فنا کے ضامن ہیں زندگی کے
اِک کارواں بنے گا پھر خاک کارواں سے

کیا جانے بجلیوں کی کس پر نگاہ ٹھہرے
سو حُسن ہیں نمایاں ترتیبِ آشیاں سے
گلشن کی بجلیوں نے اپنے ہی گھر کو پھونکا
اک رشتہ عارضی تھا میرا تو آشیاں سے
جس کو الم ازل سے دُہرا رہا ہے کوئی
ملتا ہے وہ فسانہ کچھ میری داستاں سے

(۱۵)

بہاروں میں وہی آگاہ اسرارِ خزاں ہوگا
گلستاں میں جو تقدیرِ ازل کا رازداں ہوگا
اُبھرتا ہی نہیں جو ڈوبتا ہے بحرِ اُلفت میں
کوئی ساحل نہاں شاید تہِ موجِ رواں ہوگا
غلط ہیں یہ صدائیں اور ناقوسِ برہمن کی
ہجومِ ناامیدی سے کوئی گرمِ فغاں ہوگا
ہر اک ذرّے کے پہلو میں ہیں ماہ و مہر کے جلوے
زمینِ کوچۂ جاناں کے نیچے آسماں ہوگا
لحد میں مختصر ہونے لگی رُودادِ ہستی کی
اسی منزل پہ شاید اختتامِ داستاں ہوگا

کہاں پھر دے سکے گا ساتھ سوزِ شمعِ محفل کا
ذرا غافل اگر پروانۂ آتش بجاں ہو گا

سکوں بیتابیِ الفت میں ڈھونڈیں ڈھونڈنے والے
قفس ہی کے کسی گوشے میں پنہاں آشیاں ہو گا

فروغِ رنگ و بو جس کو سمجھتے ہیں چمن والے
یہ وہ جلوہ ہے جو اک روز برقِ آشیاں ہو گا

بہاروں میں بھی پژمردہ رہا جو صحنِ گلشن میں
وہ غنچہ شامِ انجامِ چمن کا راز داں ہو گا

تو کیا اس وقت انجامِ گراں خوابی کو سمجھو گے
مسلّط جبکہ ہر اک سانس پر خوابِ گراں ہو گا

ازل کے دن سے نظروں میں ہے جسکی جادۂ منزل
وہی اے قافلے والو امیرِ کارواں ہو گا

وہی ہو گا یقیناً وقتِ تکمیلِ محبّت کا
ہمارا نالۂ دل اے الٓم جب رائگاں ہو گا

(۱۶)

سجا کے حسنِ تخیّل سے بالیقیں میں نے
بنا دیا ترے جلوؤں کو دل نشیں میں نے

تمام عمر نہ پایا تمہیں کہیں میں نے
کیا تلاش رگِ جاں کے بھی قریں میں نے

گواہ دار و رسن ہیں کہ رازِ اُلفت کا
کیا ہے فاش بہ مشکل کہیں کہیں میں نے

کمالِ عجز وفا دیکھ داغِ سجدہ سے
بنا دیا ہے ترے در کو مہ جبیں میں نے

خودی شریک رہی بے خودیٔ وحشت میں
سیئے ہیں پھاڑ کے جیب اور آستیں میں نے

ازل سے بارگہہِ حسن کا شناسا ہوں
کیا تھا سجدہ بھی پہلے پہل یہیں میں نے

گرائیں شاخِ نشیمن پہ بجلیاں پیہم
بنا کے پھول کو خود برقِ آفریں میں نے

یہ شمع بزم سے کہتا تھا جل کے پروانہ
تجھے سکھائے ہیں یہ نازِ آتشیں میں نے

یہ کہہ کے اوس اڑی وقتِ صبح گلشن سے
کسی بھی پھول کو پایا نہ دلنشیں میں نے

پلا کے خونِ جگر اپنا باغِ ہستی میں
کیا ہے خار کو پھولوں کا ہم نشیں میں نے

یہ انقلاب ہے کیسا بتا مجھے ساقی
حرم میں دیکھے ہیں کچھ میکدہ نشیں میں نے
بھی راز دارو امیں سرنوشتِ طوفاں کی
جو دیکھی غور سے ہر موج کی جبیں میں نے
خدانخواستہ یہ بھی نہ ہو فریبِ وفا
کیا ہے وعدے کا اُن کے اَلَم یقیں میں نے

(۱۷)

ذوقِ خودی نواز اگر شاملِ بیخودی نہیں
سجدۂ بے ریا میں بھی لذّتِ بندگی نہیں
جس کی نگاہ آفتاب ذرے میں دیکھتی نہیں
اس کا شعورِ آگہی حاصلِ آگہی نہیں
قبل سحر ہے کس لئے روز جزا کا اہتمام
تیرگیٔ شبِ فراق ختم ابھی ہوئی نہیں
بتکدۂ مجاز میں سر کو جھکا رہا ہے کیوں
وہم کی آزری سے بھی کیا تجھے آگہی نہیں
زیرِ حجابِ حسن ہے جلوۂ حسن کی نمود
پھولوں میں رنگ و بو نہیں تاروں میں روشنی نہیں

بزمِ نیازِ عشق میں حیرتیِ خموش بن
نغمے کی طرح پرخروش زندگی زندگی نہیں
لطفِ نگاہِ ناز کا عیشِ دوام ہی سہی
لذّتِ سوزِ عشق بھی لذّتِ عارضی نہیں
جلوے بہارِ عیش کے نذرِ خزاں ہوئے تمام
اب چمنِ حیات کے پھولوں میں تازگی نہیں
ہوں گی جوابِ شمعِ طور خانۂ دل کی ظلمتیں
شامِ فراق لو ابھی داغِ جگر نے دی نہیں
گرمِ سفر رہو الم وقت نہیں قیام کا
سایۂ زلفِ حسن ہے شام ابھی ہوئی نہیں

(۱۸)

اہتمامِ لذّتِ دردِ محن ہونے بھی دے
دل کے ہر اک داغ کو داغِ کہن ہونے بھی دے
انکشافِ رازِ گلشن تو نہیں مشکل مگر
کوئی اِن پھولوں کو سرگرمِ سخن ہونے بھی دے
اور بھی آسان ہوں گی راہ کی دشواریاں
ہر امیرِ کارواں کو راہ زن ہونے بھی دے

صبح و شام گلشنِ ہستی میں امکانِ سکوت
جنبشِ پروازِ مرغانِ چمن ہونے بھی دے
دل کی آنکھوں سے جمالِ یوسفِ معنی کو دیکھ
درمیاں ہے ظلمتِ بیت الحزن ہونے بھی دے
دیکھتے ہم بھی نتیجے انقلابِ دہر کے
فارغِ نالہ جنونِ حیلہ فن ہونے بھی دے
جا پہنچتا منزلِ مقصود پر اب تک الم
کارواں کو خضرِ منزل گامزن ہونے بھی دے

(۱۹)

نگاہِ ناز کا جلوہ کہاں ہے آنکھ کے تِل میں
ملا رکھا ہے آبِ خضر کو زہرِ ہلاہل میں
ہجوم کاروانِ آرزو ہے منزلِ دل میں
کہ طوفاں لے رہا ہے کروٹیں آغوشِ ساحل میں
خزاں کے بعد رنگ لالہ و گل پھر نکھرتا ہے
بہاریں ڈوب کر آتی ہیں شاید خونِ بسمل میں
کوئی درسِ جنوں دیتا ہے دیوانوں کو در پردہ
اک اور آواز پوشیدہ ہے آوازِ سلاسل میں

مری کشتی کو طوفاں کی طرف اے ناخدا لے چل
نہیں پیغام اب کوئی ہوائے سردِ ساحل میں

وہ اک گم کردہ منزل کی فغاں ہے قافلے والو!
جسے بانگِ درا سمجھے ہوئے ہو راہِ منزل میں

تلاش و جستجو کی سرحدیں اب ختم ہوتی ہیں
خدا مجھ کو نظر آنے لگا انسانِ کامل میں

مسافر مٹ چکے سب حادثاتِ شامِ غربت سے
فلک مصروف ہے کیوں انتظامِ صبحِ منزل میں

جسے پروانہ تفسیرِ مذاقِ درد سمجھا ہے
وہ اک طرزِ خودی ہے اعتبارِ شمعِ محفل میں

عجب انداز سے شانِ کرم تو نے نوازا ہے
چمک اٹھا ہے داغِ بے نصیبی دستِ سائل میں

اسے تسکینِ خاطر عمر بھر حاصل کہاں ہوگی
الجھ کر رہ گیا ہے جو نزاعِ حق و باطل میں

نہ چھیڑو تم اسے بیگانۂ انجامِ طوفاں ہے
الم سوتا ہے جو آرام سے آغوشِ ساحل میں

۲۰

شاید نہ دے لہو کوئی داغِ کہن ابھی
آزردۂ بہار ہے میرا چمن ابھی
نکھرے گا اور رنگ گل و یاسمن ابھی
ہے منتظر کسی کی بہار چمن ابھی
اوّل ہے فرض منزلِ مقصود کی تلاش
دیوانۂ حقیقتِ منزل نہ بن ابھی
پروانہ خاک شمع فسردہ ہے دل اُداس
تصویر بیکسی ہے مری انجمن ابھی
آزردۂ بہار نہ ہوں کیوں بہار میں
میری نگاہ میں ہے مآلِ چمن ابھی
منصور پھر اُٹھے گا کوئی خاک عشق سے
وہ دے رہے ہیں دعوت دار و رسن ابھی
کیفیت شرابِ محبت نہ پوچھیے
لذّت فزا ہے تلخیٔ کام و دہن ابھی
لازم ہے انتظار ورودِ بہار گل
دیوانے دیکھ چاک نہ کر پیرہن ابھی

اے اضطراب شوق ٹھہر اُن کی بزم میں
نظروں کو بھی نہیں ہے مجال سخن ابھی
بن بن کے پھول خاکِ چمن سے بہار میں
اٹھیں گے اور بھی کئی خونیں کفن ابھی
امن و سکوں کہیں نظر آتے نہیں الَم
آماجگاہ فتنہ و شر ہے وطن ابھی
اُمیدوار سایۂ دیوار ہے الَم
کوچے میں ان کے ایک غریب الوطن ابھی

(۲۱)

یہ شباب حسن برس رہا ہے طلوع صبح بہار پر
کہ ہجوم جلوۂ طور ہے گل و برگ و شبنم و خار پر
تجھے آئے گا نہ کبھی نظر پسِ پردہ کون ہے جلوہ گر
تری ہر نگاہ ٹھہر گئی ہے کمال نقش و نگار پہ
جو نظر طریق حجاب ناز کی شوخیوں سے ہے آشنا
اُسے اعتبار ظہور کیوں ہے نقاب جلوۂ یار پر
نہیں پہنچا حد کمال تک ابھی کوئی پہلوئے رنگ و بُو
ابھی اور جلوے سجائے گا کوئی صبح و شام بہار پہ

ہے جمال آتشِ لعل بھی ہے کمال آتشِ سنگ بھی
اُسے فخر حسن جمود پر اُسے ناز جست و شرار پر

مجھے مستحق امانتِ غم و دردِ عشق بنا دیا
یہ تھا اعتمادِ وفا اُسے فقط ایک مشتِ غبار پر

یہ ہے دورِ بزم کا آخری ہوا سوز و ساز کا خاتمہ
کوئی ایک بھی تو نہیں پتنگ چراغ شام بہار پر

ہے فغانِ یاس کی لَو کوئی کہ شرار نالۂ بیکسی
جو چراغ شام بجھا بجھا سا ہے روشن ایک مزار پر

مری خامشی پہ نہ جائیے مرے منھ میں ہے وہ زباں ابھی
نہ دبی کسی سے جو طور پر نہ رُکی جو منزلِ دار پر

کسی وقتِ خاص کی منتظر ہیں زبانِ عشق پہ اے الَمؔ
وہ گزارشیں جو گراں نہ ہوں گی مذاقِ جلوۂ یار پر

(۲۲)

اُن کے وعدے کا ہے دن صبح جزا آتی ہے
تم بھی آ جاؤ الَمؔ خلقِ خدا آتی ہے

دل کہاں صرف دھڑکنے کی صدا آتی ہے
قافلہ گم ہے مگر بانگِ درا آتی ہے

چارہ گر دل ہی کا ناسُور نہیں ہے گہرا
روزنِ زخمِ جگر سے بھی ہَوا آتی ہے
ناخدا ڈوب چکا ناؤ ہے غرقِ طوفاں
ہائے کس وقت مجھے یادِ خدا آتی ہے
شورشِ عالمِ ہستی کو دبا لے گی کبھی
سازِ دل سے جو اک ہلکی سی صدا آتی ہے
وہ سمجھتے ہیں گلستاں میں چٹکتی ہے کلی
ٹوٹنے کی جو کسی دل کے صدا آتی ہے
جلوۂ گُل ہے فقط عہدِ خزاں کی تمہید
لے کے ہر صبحِ چمن شامِ بلا آتی ہے
تیرے وحشی پہ نہیں بند درِ فیضِ بہار
صحنِ زنداں میں بھی گلشن کی ہَوا آتی ہے
دل کو ہو جاتے ہیں معنیٔ محبّت معلوم
زندگی ہوش میں جب بعدِ فنا آتی ہے
کون اَب ہو گا الَم صدر نشینِ ہستی
سُن رہا ہوں کہ مِرے دل کی قضا آتی ہے

(۲۴)

تعلّق خود نمائی سے نہیں کچھ عشق کامل کو
ہوائیں لے اڑی ہیں نجد سے شورِ سلاسل کو

نہ دے تو طعنۂ افتادگی پابندِ مشکل کو
یہ اٹھا تو اٹھے گا ساتھ لے کر تیری محفل کو

اسے جانے دے اپنی دھن میں وہ جس راہ جاتا ہے
نہ چھیڑ اے شورشِ بانگِ درا گم کردہ منزل کو

تہِ دریا ہے دل ہے میں ہوں بسم اللہ مجریٰ ہا
میں اپنے ساتھ لے کر ڈوبتا ہوں آج ساحل کو

خدا محفوظ رکھے خوش فریبی ہائے وحشت سے
نگاہِ قیس نے سمجھا ہے محمل گردِ محمل کو

نہ جل جائے سرِ فانوس کیوں آتے ہی پروانہ
بھلا بیٹھا ہے یہ پابندیٔ آدابِ محفل کو

بہت کچھ امتحانِ ظرفِ طوفاں تو کیا لیکن
ہمیں اب دیکھنا ہے وسعتِ دامانِ ساحل کو

مری خودداریٔ وحشت پہ تنقیدیں بجا لیکن
نہ دیکھا تم نے اپنے انتظامِ جبرِ محفل کو

ملے کیا کیا سہارے وقتِ مایوسی محبت میں
مری پھوٹی ہوئی تقدیر سے ٹوٹے ہوئے دل کو
سرِ منزل پہنچ کر بھی ہوا مجھ کو نہ کچھ حاصل
لئے بیٹھا ہوں اب میں انتظارِ صبحِ منزل کو
حقیقت ہے الَمؔ اتنی حجاباتِ مجازی کی
کوئی چمکا رہا ہے دور سے اک نقشِ باطل کو

(۲۴)

جب شام و سحر اُن کے جلوے آمادۂ احساں ہوتے ہیں
گلشن میں بہاریں آتی ہیں آباد بیاباں ہوتے ہیں
آدابِ گلستاں فرض سہی تائیدِ جنوں بھی واجب ہے
کیا جانے بہاریں کب آئیں ہم چاک گریباں ہوتے ہیں
اے محوِ نشاطِ فصلِ گُل انجام خوشی غم ہوتا ہے
پھولوں کی طرح جو ہنستے ہیں اک روز وہ گریاں ہوتے ہیں
دریا میں سہارا ممکن ہے کشتی کو بھنور تک جانے دے
ساحل کی خموشی کے طوفاں تو حشر بداماں ہوتے ہیں
سب رازِ محبت سینے میں پوشیدہ اگرچہ ہیں پھر بھی
آہوں میں لرزتے رہتے ہیں اشکوں سے نمایاں ہوتے ہیں

ہو صبحِ چمن یا شامِ چمن سب جلوے بہارِ گلشن کے
مجبورِ قفس کی آنکھوں میں تصویرِ پریشاں ہوتے ہیں

رُکتے ہیں کہیں دیواروں سے ٹکراتے ہیں کہیں زنجیروں سے
اظہارِ جنوں پر آمادہ جب قیدیٔ زنداں ہوتے ہیں

جی بھر کے تڑپ لینے دے انھیں رہ رہ کے ذرا جلنے دے انھیں
اے شمع کی لَو یہ پروانے اک رات کے مہماں ہوتے ہیں

تدبیر ہی تیری ناقص تھی تقدیر کو تو الزام نہ دے
کر صبر ذرا کارِ مشکل سب وقت پر آساں ہوتے ہیں

ہوتے ہیں الم نغماتِ ازل بیدار فضائے ہستی میں
برسات کی بھیگی راتوں میں جب آپ غزل خواں ہوتے ہیں

(۲۵)

وہ نگاہیں یوں علاجِ دردِ پنہاں ہو گئیں
میری نظروں سے ملیں اور پھر رگِ جاں ہو گئیں

بجلیاں پھر طور پر شاید نمایاں ہو گئیں
میرے غم خانے کی سب شمعیں فروزاں ہو گئیں

ضبطِ غم کی قوتیں مرنے کا ساماں ہو گئیں
گھٹتے گھٹتے دل میں آہیں کاہشِ جاں ہو گئیں

دیکھتیں وہ کیا حریمِ حسن کی تابانیاں
جو نگاہیں پردۂ جلوہ سے حیراں ہو گئیں

قید میں بھی اشکِ رنگیں نے سجادی ہے بہار
سب قفس کی تیلیاں شاخِ گلستاں ہو گئیں

وقفِ ماتم ہیں وہ، ہیں چپ، اہلِ میت بیقرار
کون اُن سے یہ کہے زلفیں پریشاں ہو گئیں

چند تصویریں ازل میں تھیں جو محفوظِ نقاب
میری خاطر رونقِ بازارِ امکاں ہو گئیں

ساحلِ مقصد پہ جا پہنچی ہیں وہ سب کشتیاں
ناخدا کہتا ہے جن کو غرقِ طوفاں ہو گئیں

میں ہوں اب قیدِ مجسم بس کر اے جوشِ جنوں
جسم کی ساری رگیں زنجیرِ زنداں ہو گئیں

خونِ وحشی کی مٹیں گلکاریاں ممکن نہیں
یہ بہاریں وہ ہیں جو پابندِ زنداں ہو گئیں

کتنی مدت میں چھٹا قیدِ قفس سے ہم صفیر
گلشنِ ہستی کی بنیادیں بھی ویراں ہو گئیں

کام آئیں حشر کے دن عشق کی ناکامیاں
اے زہے قسمت جوابِ فردِ عصیاں ہو گئیں

کارگاہِ زندگی میں جبرِ فطرت سے اکثر
جتنی تدبیریں تھیں سب تقدیرِ انساں ہو گئیں

(۲۶)

رہِ وفا میں فنا جو ہوگا اُسے نئی زندگی ملے گی
گزر مقامِ خودی سے پہلے حقیقتِ بیخودی ملے گی

یہ چند لمحے جو مغتنم ہیں تلاشِ ساحل میں کھو نہ اِن کو
ڈبو دے طوفانِ غم میں کشتی یہیں کچھ آسودگی ملے گی

نہ خضرِ منزل کی ہے ضرورت نہ مجھ کو بانگِ جرس کی پروا
قدم اُٹھیں گے خود آپ میرے جب ہمّت رہروی ملے گی

چمن کی جو شے ہے رفتنی ہے یہاں خیالِ قیام کیسا
ملی بھی جو کاروانِ گُل کو تو فرصتِ عارضی ملے گی

حیاتِ خضر و مسیح جس کے ہر ایک لمحے میں جاگزیں ہے
جو موت سے پہلے مر چکا ہے اسی کو وہ زندگی ملے گی

ہے علم بحث و نظر کی دُنیا فریبِ مطلق یہاں کسی کو
نہ کاوشِ دشمنی ملے گی نہ لذتِ دوستی ملے گی

وہ برق ہیں جلوہ گاہ جسکی یہ سب ظہور و خفا کے پردے
کہیں لبوں پر فغاں ملے گی کہیں لبوں کی لگی ملے گی

نہ ڈھونڈ سیّاح کھنڈروں میں تو شوکت و شان بادشاہی
اگر ملے گی تو وقفِ ماتم تجھے یہاں بیکسی ملے گی

مجھے ڈراتا ہے باغباں کیوں تو برق خاطف کی یورشوں سے
جلے گا جلنے دے آشیاں کو چمن کو تو روشنی ملے گی

وجودِ ہستی کا کوئی عالم نہیں ہے بیگانۂ تغیّر
ہر ایک ترتیب ہی کے اندر چھپی ہوئی برہمی ملے گی

مقامِ جبریلؑ سے مسلسل سنو یہ آواز آ رہی ہے
الم کو فیضِ ازل کی نسبت سے مسندِ شاعری ملے گی

(۲۷)

بہار آئے کھلیں گل مہرباں ہو آسماں پھر بھی
ہو رشکِ صبحِ باغِ خلد شامِ گلستاں پھر بھی

قفس میں یوں تو ذکرِ گل سے دل کو شاد رکھتا ہوں
مگر بے چین کر دیتی ہے یادِ آشیاں پھر بھی

مرا یوسف ازل سے جلوہ فرما ہے مرے دل میں
میں اس کو ڈھونڈتا ہوں کاروان در کارواں پھر بھی

شکستہ سوختہ بھی اور خزاں دیدہ بھی ہے لیکن
غنیمت ہے چمن میں میری شاخِ آشیاں پھر بھی

زباں کٹتی رہی ہر لمحہ اک اک حرف پر لیکن
رہی جاری مرے ہونٹوں پہ ان کی داستاں پھر بھی

بہت کچھ دے چکا ہوں اس کو درس ضبط رازِ دل
بہک جاتی ہے محفل میں نگاہِ رازداں پھر بھی

متاعِ رنگ و بو سب لُٹ چکی بے طرح گلشن میں
مگر اک مشت پر کا ہو رہا ہے امتحاں پھر بھی

بنایا ہے جبیں کو آستاں، گو ذوقِ سجدہ نے
مگر باقی ہے تمیزِ جبین و آستاں پھر بھی

قریبِ غرق ہے اے ناخدا لیکن سفینے کو
سنبھالے گی سرِ طوفاں کوئی موجِ رواں پھر بھی

یہ مانا تا سحر کرتی ہے مشقِ ضبط سوزِ غم
مگر اٹھتا ہے خاکِ شمعِ محفل سے دھواں پھر بھی

الم یوں تو اضافے ہوں گے فنِ شعر میں، لیکن
رہے گی قابلِ تحسیں مری طرزِ بیاں پھر بھی

(۲۸)

وہ بے پردہ بھی آئے اور تا حدِ نظر آئے
مگر کیا آئے مثلِ جلوۂ برق و شرر آئے

یہ ممکن ہی نہیں ہے گریۂ غم میں اثر آئے
ہر آنسو میں نہ جب تک سرخیِ خونِ جگر آئے

بہت مجبور ہو کر دل کے ہاتھوں ہم اِدھر آئے
نہ تھا منظور آنا تیرے کوچے میں مگر آئے

مسافر وہ ہے جس کو راس یوں عزمِ سفر آئے
اُٹھاتے ہی قدم دیکھے جدھر منزل نظر آئے

ملے گا لطف آزادی انھیں کیا موسمِ گل میں
قفس سے چھوٹ کر گلشن میں جو بے بال و پر آئے

بجا ہے ضبطِ غم لیکن ثبوتِ عشق کی خاطر
سرِ مژگاں بھی کوئی قطرۂ خونِ جگر آئے

چمن والوں پہ لازم ہے وہ خود دیوانہ بن جائیں
کسی کو کیا خبر کب موسمِ دیوانہ گر آئے

ہوا گونجی، کلی چٹکی عنادل کی صدا آئی
وہ آئے کاروانِ گل کو پیغامِ سفر آئے

تہِ دریا سے یہ اے ناخدا آواز آتی ہے
سرِ ساحل جو آنا چاہتا ہے ڈوب کر آئے

نگاہِ شوق کی ہے منتظر بیتابیِ جلوہ
الٰہی پھر طورِ پر شاید کوئی جلوہ نگر آئے

(۲۹)

زندگیٔ عشق کا ہر لمحہ شیون جوش ہے
ہر نفس ہنگامۂ صد ماتم خاموش ہے

سالک راہِ خودی اِس بھید سے واقف نہیں
بیخودی کی راہ میں بھی اک مقامِ ہوش ہے

فصلِ گُل آنے سے پہلے یہ خبر مجھکو نہ تھی
تنکا تنکا آشیاں کا برق در آغوش ہے

شدّتِ جلوہ کہاں اور تابِ نظّارہ کہاں
ہر نظر سے بے حجابی میں بھی وہ روپوش ہے

کیا اسیرانِ جنوں سب جان دے کر چھُٹ گئے
آج اے صیّاد کیوں شامِ قفس خاموش ہے

اضطرابِ دل کو ضبطِ عشق ہے روکے ہُوئے
دامنِ ساحل میں طوفاں مُطلقاً خاموش ہے

وقت پر جھکتے ہیں سجدوں کے لئے مستوں کے سر
اُن کو آوازِ اذاں گلبانگ نوشانوش ہے

کہہ رہی ہے دل فریبیٔ سکوت صبح و شام
اِن حجابوں میں کسی کا جلوہ خاموش ہے

لائقِ سجدہ ہے دیوارِ حرم یا سنگِ در
بیخودیٔ شوق میں اتنا تو مجھ کو ہوش ہے
رازدارِ حاصلِ غم ہے وہ دل جو عشق میں
بے نیازِ آرزو ہو کر تمنّا کوش ہے
ہر نفس پیغامِ مستی، ہر قدم پر لغزشیں
ہوش کا آنا جوانی میں وداعِ ہوش ہے
فاش کر دیتا الم رازِ جنوں ممکن نہیں
ہے تو دیوانہ مگر دیوانۂ خاموش ہے

(۳۰)

نہیں جہانِ محبّت میں کامیاب نہیں
وہ زندگی کہ جسے تابِ انقلاب نہیں
بہارِ گل میں جنوں اب کے کامیاب نہیں
جوابِ چاکِ جگر دامنِ گلاب نہیں
اسی سے کسبِ ضیا کر رہا ہے مہرِ فلک
تری نگاہ میں جو ذرّہ آفتاب نہیں
بغور دیکھ لیا گلستانِ ہستی میں
کوئی بہار بھی آسودۂ شباب نہیں

جگر کا پھوٹ کے ہر آبلہ اُبھرتا ہے
یہ ٹوٹ پھوٹ کے مٹ جائیں وہ حباب نہیں
ہے آفتاب شبِ قدر میری خلوت میں
نہ ہو جو آج تجلّیٔ ماہتاب نہیں
وہی پلائی ہے ساقی میں جس کا طالب ہوں
تو کیوں سرُور باندازۂ شراب نہیں
بنا حیاتِ محبّت کو اضطرابِ دوام
سکونِ درد تو انجام کامیاب نہیں
ہزار پردوں میں بھی چھپ کے بے نقاب رہا
الَم وہ جلوہ کہ جو خوگرِ حجاب نہیں

(۳۱)

حقیقت کچھ نہیں اس کے سوا بزم گلِستاں کی
سجی ہیں چند تصویریں یہاں خونِ شہیداں کی
یہیں سے ابتدا کی جلوۂ صبحِ بہاراں کی
جنوں نے لاج رکھ لی ہے مرے چاکِ گریباں کی
ہو خونِ کوہکن یا دھجیاں مجنوں کے داماں کی
انھیں سے رونقیں ہیں اے جنوں تیرے بیاباں کی

جہاں سے درد کی ہر ٹیس نغمہ بن کے اٹھتی ہے
وہیں کر جستجو زخمہ زنِ سازِ رگِ جاں کی

مرے داغِ جگر اشکِ وفا سے تازہ رہتے ہیں
ضرورت ہی نہیں ہے اس چمن کو ابرِ باراں کی

نہ آنے کا وہ شاید کر چکے ہیں عہدِ مستحکم
کشش معذور ہوتی جا رہی ہے عشقِ پنہاں کی

سکوتِ شام کے دامن میں ہر شے نغمہ پیرا ہے
کسی شاعر نے کی ہے منعقد محفل بیاباں کی

کہاں جانا تھا جاتے ہیں کہاں یہ قافلے والے
نہیں پروا کسی کو ان میں آوازِ حدی خواں کی

ہوا لے کر جو آجاتی ہے پیغامِ بہارِ گل
عنایت ہے الم یہ روزنِ دیوارِ زنداں کی

(۳۲)

تسکین مصیبت میں دینے کو یوں تو زمانا آتا ہے
ایسا بھی کوئی آتا ہے جسے بگڑی کا بنانا آتا ہے

کانٹوں کی زبانِ تشنہ سے گلشن کی حقیقت کو پوچھو
یارانِ چمن اِن پھولوں کو تو ہنسنا ہنسانا آتا ہے

ہوتا ہے تبسّم ریز کوئی ہستی کے حجابِ رنگیں سے
جب سازِ محبّت کے تاروں پر دل کا ترانا آتا ہے

اشکوں پہ بھروسہ کر لینا اے دیدۂ تر نا فہمی تھی
اُن کو تو جگر کے داغوں میں اور آگ لگانا آتا ہے

پھولوں پہ نگاہیں کیوں ڈالے تاروں سے دل کیوں بہلائے
دامانِ محبّت پر جس کو اشکوں کا سجانا آتا ہے

ان مست نگاہوں کے صدقے تو جام و سبو کو رہنے دے
تجھ کو تو سرِ محفل ساقی آنکھوں سے پلانا آتا ہے

روتا ہوں مگر شبنم کی طرح مرکز کی طرف ہے رُخ میرا
اشکوں کا مجھے بھی ہر موتی سورج پہ چڑھانا آتا ہے

اُن کو تو جگایا سوتے تھے جو راہ میں اے فریادِ جرس
جو چلتے چلتے سوتے ہیں اُن کو بھی جگانا آتا ہے

اے محو خودی وقتِ سجدہ توقیر عبودیت کو نہ کھو
کافر ہے جسے سنگِ در پر سر رکھ کے اُٹھانا آتا ہے

کیا ڈر ہے الم دوزخ کا مجھے محفوظ ہے میری آنکھوں میں
وہ اشکِ ندامت سوزِ جہنم جس کو بُجھانا آتا ہے

(۳۳)

راز ہستی سے آشنا ہوں میں
اپنی منزل کو جانتا ہوں میں

بحر قطرے میں ہے تموّج خیز
کہہ رہا ہے کوئی خدا ہوں میں

رُوح بھی درمیاں سے ہٹ جائے
اُن سے اک راز کہہ رہا ہوں میں

ہو کے گمراہ دشتِ اُلفت میں
اپنی منزل پر آ گیا ہوں میں

ابتدا ہے نہ انتہا میری
غیر محدُود سلسلا ہوں میں

مجھ کو دیکھیں نہ کیوں نظر والے
تیرے جلوؤں کا آئینا ہوں میں

کوئی بھی ساز اب نہیں بجتا
جب سے خاموش ہو گیا ہوں میں

آج طوفاں بھی مجھ سے کہتا ہے
تیری کشتی کا ناخدا ہوں میں

دیر و مسجد میں ہے گذر میرا
اے الَمؔ رند پارسا ہوں میں

(۳۴)

چارہ گر بھی مجھ کو پیغام قضا دینے لگے
آج شاید زخم دل میرے ہَوا دینے لگے

بس یونہی آتی ہے آوازِ شکستِ ظرف دل
ٹوٹ کر جیسے کوئی ساغر صدا دینے لگے

ہے نگاہ ناز کی پھانسوں میں لطف زندگی
تیر کے ٹکڑے کلیجے میں مزا دینے لگے

دونوں عالم میں رہے گا دل امانت دارِ غم
چیخ اُٹھی دنیا وہ جب یہ فیصلا دینے لگے

کون ہیں یہ ناشناس لذّتِ طوفانِ غم
ڈوبنے والے کو ساحل سے صدا دینے لگے

ٹوٹ کر جو نشترِ غم ہو گئے تھے جزوِ دل
وقتِ عیشِ جاوداں کیا کیا مزا دینے لگے

کائناتِ حسن پر بھی تھا الم طاری سکوت
امتحانِ عشق جب اہلِ وفا دینے لگے

(۳۵)

چلتے چلتے جو تھکے پاؤں تو سر سے گزرے
اہلِ دل یوں تری ہر راہ گزر سے گزرے

دل کی منزل سے کہ پہلوئے جگر سے گزرے
اُن کے سب تیر خدا جانے کدھر سے گزرے

اس سے پروانے ہیں آگاہ نہ اہلِ محفل
کتنے طوفان سرِ شمع سحر سے گزرے

اک طرف مجلسِ دل ایک طرف محفلِ طور
دیکھیے قافلۂ عشق کدھر سے گزرے

جتنے پردے ہیں یہاں سب کا تقاضہ ہے یہی
طالبِ جلوہ اِدھر آئے اُدھر سے گزرے

عمر بھر کیوں نہ وُہ گم کردہ منزل رہتے
شوقِ منزل میں جو آدابِ سفر سے گزرے

قافلے جتنے گئے گورِ غریباں کی طرف
دیکھتے دیکھتے سب حدِّ نظر سے گزرے

بیخودی میں نظر آئیں گے مقاماتِ خودی
باخبر ہو کے جو تو اپنی خبر سے گزرے

ہے میسّر اُنھیں تسکین بہارِ جاوید
گلشنِ دھر میں جو ذوقِ نظر سے گزرے

وہ تو بے پردہ بھی آجائیں نظر شرط یہ ہے
پہلے انسان مقاماتِ نظر سے گزرے

بحرِ اُلفت کے شناور سے یہ کہہ دے کوئی
ہے وہی موجِ کنارہ کہ جو سر سے گزرے

اے اَلَم اب کہاں تمیزِ حق و باطل میں
اہلِ فن اس لئے اظہارِ ہنر سے گزرے

(۳۶)

رہے گی ترجمانِ ظلم شاخِ آشیاں کب تک
اُٹھے گا دیکھئے میرے نشیمن سے دھواں کب تک
مری مجبوریوں پر تبصرے افسانہ خواں کب تک
بنائی جائے گی خاموشیٔ دل داستاں کب تک
گُل و لالہ رہینِ حملۂ برقِ تپاں کب تک
چمن والو اٹھو ہستی میں یہ خوابِ گراں کب تک
تو خود رہبر ہے خود بانگ جرس ہے خود ہی منزل ہے
مُسافر پھر یہ تقلیدِ امیرِ کارواں کب تک
اُٹھا جلدی قدم ہو تیز رَو بڑھ حدِّ منزل سے
سرِ جادہ تماشائے غُبارِ کارواں کب تک
نہ ڈر لبیک کہہ دے دعوتِ مرگِ محبّت پر
فنا ہو جا تمنّائے حیاتِ جاوداں کب تک
کہیں مشغول اسبابِ سفر پیچھے نہ رہ جائے
شریکِ کارواں ہو انتظامِ کارواں کب تک
بہر جلوہ فریبِ حُسن بن کر اہلِ عرفاں کو
دیے جائے گا دُھوکے انقلابِ آسماں کب تک

اندھیری رات طوفانِ تلاطم، ناخدا غافل
یہ عالم ہے تو پھر کشتی سرِ موج رواں کب تک
مری پرواز ہے خود بے نیازِ مرکز و منزل
مجھے اُڑنے دو تعیینِ مکان و لامکاں کب تک
الم رونے سے کچھ حاصل نہیں ہے دل کی میّت پر
رہو گے ایک لاشِ بے کفن پر نوحہ خواں کب تک

(۳۷)

دیکھتا ہوں کہ کمی شورشِ پنہاں میں نہیں
خاک بھی سلسلۂ چاکِ گریباں میں نہیں
وقت پر چھیڑ کے ہر رنگ کے نغمے سُن لے
کونسا گیت ہے جو سازِ رگِ جاں میں نہیں
آپ نے پھولوں کو دیکھا ہے ستاروں کو بھی
کیا مرا دل انھیں اجزائے پریشاں میں نہیں
آئے کس طرح چمن سے کوئی پیغامِ بہار
اب ہوا کا بھی گذر روزنِ زنداں میں نہیں
مرضیٔ حسن فقط مدِّ نظر ہے ورنہ
کونسا حشر ہے جو عشق کے امکاں میں نہیں

اس تصوّر ہی نے رکھا ہے مجھے گرمِ سفر
میری منزل کہیں ہستی کے بیاباں میں نہیں
اَب نہیں میرے لئے نغمہ سرائیٔ موزوں
میں قفس میں ہوں سرِ شاخِ گلستاں میں نہیں
اپنے مرکز پہ المؔ چاہیئے تکمیلِ جنوں
گھر کے ذرّوں میں جو وسعت ہے بیاباں میں نہیں

(۳۸)

ہر نگہہ کلیمِ طور کیوں نہ ہو انتشار میں
کوندرہی ہیں بجلیاں حُسن کے جلوہ زار میں
دل کہ جو عمر بھر رہا حالتِ اضطرار میں
کتنا سکوں نصیب ہے بعدِ فنا مزار میں
جلوۂ رنگ و بُو نہیں جوش پہ نوبہار میں
آگ لگی ہوئی ہے یہ دامنِ لالہ زار میں
بے خبر نشاطِ مے غنچہ و گُل پہ کر نظر
جام و سبو ہیں چارسو میکدۂ بہار میں
بزم گہہ مجاز میں کب ہے ورود کا خیال
عمر گزر گئی تمام آپ کے انتظار میں

میری نگاہ نے دیا رنگ چمن کو یہ فروغ
ورنہ تھیں یہ تجلّیاں پہلے کہاں بہار میں

آئے گا بہرِ فاتحہ میری لحد پہ کون آج
عکسِ ہجوم جلوہ ہے شمع سرِ مزار میں

منزلِ عشق سے بھی وہ آگے نکل گیا کچھ اور
گم نہ ہوا جو قافلہ رہ گزرِ غبار میں

صبحِ ازل گزر گئی، شامِ ابد بھی ختم ہے
کتنی تھیں وسعتیں نہاں وعدے کے اعتبار میں

زندگیٔ دلِ حزیں جبر میں ہے گھری ہوئی
کس کو یہاں ہے اختیار عالمِ اختیار میں

منزلِ حسن و عشق ہے وہ نہ حریفِ طور و عرش
دل کا مقام اور ہے دیدۂ اعتبار میں

ڈھونڈ رہی ہے اوس بھی بن کے گہر انھیں الم
جیبِ گلِ بہار میں دامنِ نوکِ خار میں

(۳۹)

محبّت میں ہر آسانی کسی مشکل کا دھوکا ہے
سکونِ دل کہاں ہے اضطرابِ دل کا دھوکا ہے

یہ دُنیا جب تجلی گاہ وحدت ہے حقیقت میں
تو ہر جلوے پہ کیوں پھر جلوۂ باطل کا دھوکا ہے
سمجھتا ہوں کبھی اک مشتعل شعلے کو پروانہ
کبھی پروانے پر شمع سرِ محفل کا دھوکا ہے
صدائے نالہ ہو یا نغمۂ سازِ سرِ محفل
ہر اک آوازِ شکستِ دل کا دھوکا ہے
کدھر لے جا رہا ہے بحرِ طوفاں خیز میں کشتی
تجھے موجِ رواں پر ناخدا ساحل کا دھوکا ہے
حدِ منزل سے آگے بڑھ کے اُس منزل پہ پہنچا ہوں
جہاں ہر قافلے پر کاروانِ دل کا دھوکا ہے
لپٹ جاتا ہے اس سے بیخودیٔ جوشِ اُلفت میں
بگولے پر نگاہ قیس کو محمل کا دھوکا ہے
جھکی جاتی ہیں آنکھیں شرم سے ہنگامِ آرائش
انھیں آئینے پر شاید کسی کے دل کا دھوکا ہے
سکوتِ بیکسی ہے انتقامِ ظلم ہستی میں
یہاں قاتل ہے وہ جس پر تجھے بسمل کا دھوکا ہے
سرِ منزل پہنچ سکتا نہیں وہ قافلہ ہرگز
جسے رہبر پہ بھی بیگانۂ منزل کا دھوکا ہے

الم اس کاوشِ پنہاں کا باعث تم نہ سمجھو گے
نگاہ ناز کی منزل پہ تم کو دل کا دھوکا ہے

(۴۰)

تو سمجھتا ہے بگولوں میں ہے ویرانے کی خاک
یہ پریشاں ہے شہنشاہوں کے گُل خانے کی خاک
دیکھ کر مستیٔ فصلِ گُل یہ ہوتا ہے یقیں
شاملِ خاکِ چمن شاید ہے میخانے کی خاک
صبح تک کوئی نہ کوئی انقلاب آجائے گا
کروٹیں لینے لگی محفل میں پروانے کی خاک
خاک دونوں ہیں خزاں ہو یا بہارِ گل مگر
ایک ہے خاک گلستاں ایک ویرانے کی خاک
کم نہیں ہوتا ہے بعدِ مرگ بھی جوشِ جنوں
حلقۂ زنجیر سے لپٹی ہے دیوانے کی خاک
یہ ہیں افتادِ مزاجِ دل سے کچھ ملتی ہوئی
گُل کی رنگینی، شفق کی آگ، پیمانے کی خاک
کچھ قفس کے سامنے سے لے کے گزری ہے صبا
ہو یہی شاید مرے برباد کاشانے کی خاک

ظلمتِ باطل سے ہے نورِ حقیقت کا فروغ
ضامنِ تقدیسِ کعبہ ہے صنم خانے کی خاک
اک یہی تو یادگارِ بزمِ عشرت ہے الٓم
تا سحر محفوظ رکھی جائے پروانے کی خاک

(۴۱)

کہاں وہ اے الٓم رمزِ حیاتِ عاشقی سمجھے
جو مر جانا محبّت میں کمالِ زندگی سمجھے
تڑپ پروانے کی شمع لگن کی خامشی سمجھے
سمجھنا ہو جسے رازِ خودی و بیخودی سمجھے
کھٹکتی تھی ازل سے کوئی شے سینے میں ہم جسکو
کبھی نشتر، کبھی دردِ محبّت، دِل کبھی سمجھے
نظر آئیں گی موت و زیست کی سب منزلیں تجھکو
اگر تو غور سے طرزِ نظامِ زندگی سمجھے
قیامِ زندگانی منحصر تھا ایک ہچکی پر
غنیمت ہے کہ ہم اتنا تو وقتِ آخری سمجھے
جو ہے واماندہ و تنہا یہ پوچھو اس مُسافر سے
شریکِ کارواں کیا لذّتِ واماندگی سمجھے

کیا کرتا ہے جو تنقید مجبورِ محبّت پر
اُسے لازم ہے افتادِ مزاج آدمی سمجھے
اشارہ کر رہا تھا اور ہی کچھ ڈوبنے والا
مگر یارانِ ساحل تو سلامِ آخری سمجھے
الم اب کیا کہوں میں اس شعورِ ذوقِ سجدہ کو
جو حسنِ بندگی کو اک فریبِ بندگی سمجھے

(۴۲)

جب کوئی حقیقت نگر دل نہ رہے گا
پھر زندگیٔ عشق کا حاصل نہ رہے گا
مٹ جائے گی سب لذّتِ نیرنگیٔ جلوہ
جب پردہ کوئی بیچ میں حائل نہ رہے گا
ٹکراتی ہے دل ہی سے ہر اک موجِ حوادث
طوفاں کے یہ تیور ہیں تو ساحل نہ رہے گا
اے شمع بتا دادِ فنا کس سے تو لے گی
تا صبح تو پروانۂ محفل نہ رہے گا
منزل پہ نہ پہنچے گا وہ رہ گیر جو کچھ روز
گمراہ سرِ جادۂ منزل نہ رہے گا

ناکامیِ اُلفت سے میں یہ پُوچھ رہا ہوں
کیا غم بھی اب آسُودگیِ دل نہ رہے گا
آتی ہے مسلسل تہِ دریا سے یہ آواز
ڈوبے گا جو بیگانۂ ساحل نہ رہے گا
ہو جائے گا خاموش یہ ہنگامۂ ہستی
پہلو میں ہر اک ذرّے کے جب دل نہ رہے گا
بے پردہ نظر آئیں تو اک روز الٰہی وہ
دُنیا میں نزاعِ حق و باطل نہ رہے گا

(۴۳)

سب مشکلوں کو عشق نے آساں بنا دیا
دل کو حریفِ کاوشِ پیکاں بنا دیا
شرمندۂ تلاش ہے ہر سعیِ چارہ گر
پیکاں کو جذبِ دل نے رگِ جاں بنا دیا
سب کی نگاہ ان پہ ہے یا میرے حال پر
دُنیا کو حُسن و عشق نے حیراں بنا دیا
طرزِ فریبِ جلوۂ ہستی نے خود مجھے
اپنی نظر میں خوابِ پریشاں بنا دیا

شوخی تو اُن کی دیکھئے جب دل کی خاک سے
گلشن نہ بن سکا تو بیاباں بنا دیا
فطرت کے اِس کمالِ تصرّف کو دیکھئے
دل کو کتابِ عشق کا عنواں بنا دیا
اب مقصدِ حیات کو سمجھا ہوں میں اَلمؔ
ناکامیوں نے صاحبِ عرفاں بنا دیا

(۴۴)

صحرا نوردِ عشق ہے گرمِ فغاں بھی ہے
دل کارواں بھی ہے جرسِ کارواں بھی ہے
آزادیوں کا لطف اسیری میں ہے محال
وہ کونسا قفس ہے کہ جو آشیاں بھی ہے
دیر و حرم ہیں جلوہ گہہِ شیخ و برہمن
ذوقِ خودی نواز یہاں بھی وہاں بھی ہے
میں کس سے یہ کہوں کہ نہیں وہ شہیدِ عشق
جو کشتۂ زباں بھی ہلاکِ بیاں بھی ہے
داغوں سے دل کے خوں بھی ٹپکتا ہے سوز بھی
اس باغ میں بہار بھی ہے اور خزاں بھی ہے

خضرِ طریق عشق ہے ہر جلوۂ مجاز
منزل شناس گردِ رہِ کارواں بھی ہے

وہ حملہ زن کہیں ہو مگر جانتا ہوں میں
بجلی کی اک نظر طرف آشیاں بھی ہے

پھولوں کے ساتھ ساتھ ستارے بھی ہیں یہاں
گویا زمین باغِ سخن آسماں بھی ہے

کیا کہیے اس فغاں کو جو صبحِ شبِ فراق
ناقوس کی صدا بھی ہے بانگِ اذاں بھی ہے

ہے فرض مجھ پہ ضبطِ محبت مگر الم
کچھ ذمہ داریِ نگہِ رازداں بھی ہے

(۴۵)

تھی بہاروں میں کسے یہ آگہی
شامِ غم ہے صبحِ گلشن کی ہنسی

جلوۂ رنگِ چمن ہے بے ثبات
اوس یہ کہہ کر چمن سے اُڑ گئی

تا رگِ جاں بڑھ گئی شمشیرِ ناز
موجِ طوفاں تا بہ ساحل آگئی

بے خبر ہیں اس سے مرغانِ چمن
کہہ رہی ہے کیا گلوں کی خامشی

باغِ جنت کا تصور صبح و شام
کھو دیا تو نے وقارِ بندگی

بے خلیل وقت ہے بالکل فضول — گرمئ بازارِ فن آزری
بزمِ ہستی میں جو دیکھا غور سے — ہے سکونِ دل ہی وجہ برہمی
طورِ سینا پر نہ جاتے پھر کلیم — دیکھتے گر طورِ دل کی روشنی
اُٹھ گئے سب رازدانِ میکدہ — اب کسے دیں منصبِ ساقی گری

ساتھ کیا دیتی مرا دُنیا اَلم
راہِ غم میں مجھ سے پیچھے رہ گئی

(۴۶)

دل میں خیالِ حسنِ حقیقت اثر ہے آج
اس آئینے میں جلوۂ آئینہ گر ہے آج
رنگِ بہار جلوۂ وحشت اثر ہے آج
جس پھُول کو بھی دیکھئے دیوانہ گر ہے آج
شاید کہ ماورائے تعیّن گزر ہے آج
منزل بھی میرے ساتھ ہی گرمِ سفر ہے آج
تجدیدِ بزمِ عشق کا عالم نہ پوچھئے
عنوان ہر فسانہ برنگِ دگر ہے آج
اَللہ رے تصرّفِ سوزِ نہانِ عشق
ہر اک جگر کا آبلہ داغِ جگر ہے آج

آغازِ خوش فریب کا انجام دیکھیے
دل میں جو چیز درد تھی وہ دردِ سر ہے آج
سمجھا تھا بے پری کو جنہوں نے متاعِ عیش
اُن قیدیوں کو بھی ہوس بال و پر ہے آج
یہ کون سے پتنگ کے جلنے کا سوگ ہے
ہر شمع بزمِ حسن چراغِ سحر ہے آج
افراطِ ذوقِ دید کو کوسیں گے عمر بھر
جلوؤں کی حد سے آگے ہماری نظر ہے آج
یہ کہہ کے رو رہا ہے کہیں دِل مجھے الم
اے میرے غم نواز بتا تو کدھر ہے آج

(۴۷)

ناخدا تھیں مشکلیں جتنی سب آساں کر چکے
آج ہم تو کشتیٔ دِل نذرِ طوفاں کر چکے
تا بکے مرغِ سحر یہ دعوتِ جوشِ جنوں
اب تو گلہائے چمن پرُزے گریباں کر چکے
ڈھونڈتے ہیں غم کی اُن پھانسوں کو چارہ گر ابھی
جن کو اہلِ درد پیوستِ رگِ جاں کر چکے

اب نہیں ہے شمعِ بزمِ طور کی حاجت مجھے
میرے غم خانے میں اشکِ خوں چراغاں کر چکے

خاک سے کشتوں کی پھر بننے لگیں آبادیاں
تم تو کہتے تھے کہ ہم عالم کو ویراں کر چکے

نالۂ زنجیر کی آواز بھی آتی نہیں
کیا ادا فرضِ جنوں قیدیٔ زنداں کر چکے

باغباں تجھ کو مبارک آمدِ فصلِ بہار
وہ چمن میں کیا رہیں جو قصدِ زنداں کر چکے

کچھ نگاہِ ناز کو گھبرا کے سمجھانے لگے
جب وہ اجزائے دو عالم کو پریشاں کر چکے

شکریہ اے نوبہارِ گلشنِ ہستی کہ ہم
پردۂ ہر گل میں سیرِ داغِ حرماں کر چکے

پوچھنے آئے بھی تو کب آئے یارانِ چمن
آشیاں جب ہم بھرے گلشن میں ویراں کر چکے

صرف وہ جلوے ہیں دانائے رموزِ شوقِ دید
طور پر جو امتحانِ چشمِ حیراں کر چکے

جا چکے وہ اپنی اپنی منزلوں پر اے المؔ
جن کو موجوں کے تھپیڑے غرقِ طوفاں کر چکے

(۴۸)

چمن میں دیکھتے ہیں لالہ و گل کو نظر والے
ہمیں بھی دیکھ لیں ہم بھی تو ہیں زخم جگر والے
قفس باقی نہیں قیدِ قفس کیا ایک جنبش میں
بہت بے بس ہمیں سمجھے ہوئے تھے بال و پر والے
بڑھا دی اتنا کہہ کر شمع نے پروانوں کی ہمّت
ہے جلنا کام ان کا جو ہیں دل والے جگر والے
ہر اک ذرّے کا دل جلووں کا مرکز ہے خدا جانے
ہیں کتنے آسماں زیرِ زمیں شمس و قمر والے
فضائے رنگ و بو تھی مست جن کے مست نغموں سے
وہ مرغانِ خوش الحاں کیا ہوئے بانگ سحر والے
یہ ویرانے نہیں ہیں تو حقارت سے نہ دیکھ اِن کو
وہی ہیں یہ محل جو تھے کبھی دیوار و در والے
سجا رکھا ہے دامانِ وفا کو اشکِ رنگیں سے
بفیضِ چشمِ گریاں ہم بھی ہیں لعل و گہر والے
کہیں بھی ہوں پس ہر جلوہ تم کو دیکھ لیتے ہیں
ہیں تم سے آشنا اچھی طرح ذوقِ نظر والے

زباں پر تھا اَلَم حوروں کی یہ نغمہ شبِ اسریٰ
سرِ عرشِ بریں جاتے ہیں مازاغ البصر والے

(۷۹)

خوشی، خوشی ہیں نہ غم ہیں کوئی ملال مجھے
بنا دیا ہے محبّت نے بے مثال مجھے
سنبھال جُراَتِ نظّارہ اب سنبھال مجھے
کہ دے رہا ہے کوئی دعوتِ جمال مجھے
بہارِ تازہ کی ہے منتظر مری پرواز
نہ سمجھے کوئی قفس ہیں شکستہ بال مجھے
کمالِ گرم نگاہی تو ان کا دیکھ لیا
شکستِ شیشۂ دل کا نہیں خیال مجھے
پسِ حجابِ محبّت نوازیاں تو کیں
نہ آئے سامنے اس کا نہیں ملال مجھے
ہیں فیضِ عشق سے ہوں بے نیاز دو عالم
نہ کر شریکِ خطا جرأتِ سوال مجھے
ازل میں پوچھتا تخلیقِ دل کا راز اُن سے
اَلَم رہا نہ کچھ اِس بات کا خیال مجھے

(۵۰)

وفا کی راہ میں دل تنگ دو جہاں نہ بنے
مٹے تو چپکے سے مٹ جائے داستاں نہ بنے

نہ جانے اب کے بہاروں میں کیوں ہے یہ قدغن
کسی بھی شاخ پہ گلشن میں آشیاں نہ بنے

فرازِ عرش سے بھی ہے مقامِ دل اونچا
یہی زمین ہے وہ جس پر آسماں نہ بنے

نظر نہ ڈال مسافر جمالِ ہستی پر
کہیں حجابِ نظر گردِ کارواں نہ بنے

ہو دل کہ رُوح نہیں اعتبار کے قابل
ہمارا کوئی محبّت میں رازداں نہ بنے

لرز رہی ہے اسی ڈر سے کائناتِ چمن
فروغِ گل ہی کہیں برقِ آشیاں نہ بنے

قفس پہ ہو نہ اَتہی کسی کو وہمِ چمن
شگفت داغ جگر بھی عذاب جاں نہ بنے

الم بیان محبّت کو مختصر کر دے
ترا کلام کہیں شرح داستاں نہ بنے

(۱۵۱)

پھر کہاں یہ سرخوشی ساقی خمار آنے کے بعد
لا دئے جامِ متصل پیمانہ پیمانے کے بعد

کسوتِ مینا میں تو مے صرف موجِ برق تھی
بن گئی کچھ اور شے ہونٹوں تک آجانے کے بعد

سازِ الفت بڑھ سکا اب تک نہ سوزِ حسن سے
شمع محفل صبح تک جلتی ہے پروانے کے بعد

بیخودیٔ غم میں تھے جلوے کئی پیشِ نظر
کچھ نظر آتا نہیں اب ہوش آجانے کے بعد

صبر لازم ہے ابھی اے تشنہ کامانِ سرور
خم کی باری آئے گی شیشے کے پیمانے کے بعد

شمع محفل کی زباں پر تو صلائے عام تھی
کیوں نہ اُٹھا کوئی بزمِ غم سے پروانے کے بعد

روزِ اوّل سے یہی ہے سنّتِ بزمِ جنوں
صدرِ محفل ہو یہاں دیوانہ دیوانے کے بعد

اے مسافر یاد رکھ اتنا کہ راہ شوق میں
منزل اس منزل سے آتی ہے گزر جانے کے بعد

کر رہا ہے میکدے میں فاش اسرارِ ازل
بادہ آشامِ طریقت ہوش میں آنے کے بعد

کون دے اہلِ جنوں کو دعوتِ جوشِ جنوں
اب بہاریں ہیں نہ گلشن تیرے دیوانے کے بعد

واقعہ یہ دونوں عالم میں رہے گا یادگار
زندگانی میں نے حاصل کی ہے مرجانے کے بعد

مدتوں سے ہیں اَلَم بیگانۂ اہلِ جہاں
دُور رہتے ہیں ہر اک سے عشق فرمانے کے بعد

(۵۲)

راز داں روزِ ازل سے ہے جو میخانے کا
چھوڑ دیتا ہے وہ منہ چُوم کے پیمانے کا

ظرف دیکھے کوئی ساقی ترے دیوانے کا
بیخودی میں بھی طلبگار ہے پیمانے کا

دامنِ شمع پہ ڈھلتا ہے جو آنسو بن کر
یہ کوئی شعلۂ غم تو نہیں پروانے کا

شامِ ہجراں سے مری صبحِ مصیبت سے مری
وہ پتہ پوچھ رہے ہیں مرے غم خانے کا

یاد جب صحبتِ دیرینہ کبھی آتی ہے
طوف کرتا ہوں نگاہوں سے صنم خانے کا
طعن بے ربطیِ مفہوم نہ دے اُلفت کو
میری ہستی ہے نتیجہ اسی افسانے کا
خوابِ غفلت کو اُلمؔ چھوڑیئے ہوتی ہے سحر
جاگتے وقت ہے اب ہوش میں آجانے کا

(۵۳)

دو جہاں میں ڈھونڈ ہی لیں اُن کو اک دن ہم کہیں
چین بھی لینے دے لیکن یہ دلِ پرغم کہیں
ہم نشینیِ بہارِ گل سے ہے خطرہ مجھے
اپنی حد سے بڑھ نہ جائے قطرۂ شبنم کہیں
برقِ غم کو اپنے بیگانے کی ہے تمیز کیا
چھُو تک دے مجھ کو نہ میرا نالۂ برہم کہیں
چشمِ خوں افشاں کہاں اور نرگسِ گلشن کہاں
آگ برساتا ہے ہر اک دیدۂ پُرنم کہیں
درحقیقت وہ کہاں ہیں یہ تو کہہ سکتے نہیں
لیکن ان کو دیکھتے ہیں چشمِ دل سے ہم کہیں

کہہ کے یہ بیمارِ غم کے پاس سے وہ ہٹ گئے
آ کے رک جائے نہ آنکھوں میں کسی کا دم کہیں

ہر صدا سے آ رہی ہے بوئے خونِ آرزو
ہو رہا ہے کیا دلِ مرحوم کا ماتم کہیں

یہ تلاطم بحرِ ہستی میں نہیں ہے بے سبب
آ گئی ہے کشتیٔ دل زیرِ موجِ غم کہیں

پائے استحقار سے ٹھکرا نہ تو ساقی اسے
دیکھ یہ جامِ شکستہ ہو نہ جامِ جم کہیں

اے الم میں بھی تو دیکھوں جلوہ ہائے انقلاب
رحم فرمائے جو مجھ پر گردشِ عالم کہیں

(۵۴)

ذوقِ غم کو لالہ و گل سے نمایاں کیجئے
حسن کے جلوؤں سے شرحِ دردِ پنہاں کیجئے

رات ہے کنجِ قفس ہے ہم نفس خاموش ہیں
بند آنکھیں کر کے اب سیرِ گلستاں کیجئے

ہے انھیں کا عکسِ رخ ہر جلوۂ دیر و حرم
کس طرح پھر امتیازِ کفر و ایماں کیجئے

جتنی چھینٹیں ہیں لہو کی سب ہیں تاریخ جنوں
غور سے نظارۂ دیوارِ زنداں کیجئے

دامنِ ہستی سے یہ آویزشیں اچھی نہیں
چاک کرنا ہے تو چاک اپنا ہی داماں کیجئے

لفظِ دل کے جب معانی کا تعین ہی نہیں
ذکر سے کیوں اس کے دُنیا کو پریشاں کیجئے

پھر کوئی بسمل ہے آمادہ تڑپنے کے لئے
ہو سکے تو انتظامِ بزمِ امکاں کیجئے

ضبطِ غم سے ہم بہت مجبور ہیں شامِ فراق
آنسوؤں سے خونِ دل کیونکر نُمایاں کیجئے

آپ تو داغوں کو دل کے دیکھ کر چُپ ہو گئے
کچھ تو تنقیدِ جوابِ باغِ رضواں کیجئے

خامشی گورِ غریباں کی نہیں ہے بے سبب
اِس خموشی میں تلاشِ رازِ پنہاں کیجئے

عہدِ گُل کہہ دیجئے دورِ خزاں کو بھی الم
اس طرح تسکینِ اربابِ گلستاں کیجئے

(۵۵)

جب نگاہِ شوق کو ہم مشربِ موسیٰ کیا
میں نے ہر اک سنگِ رہ سے طور کو پیدا کیا
کیا ہوا گر شمع نے فانوس میں پردا کیا
شوقِ پروانہ تو اس منزل سے بھی گزرا کیا
وہ رہا محرومِ جلوہ، جلوہ گاہِ عشق میں
جس کسی نے اعتبارِ دیدۂ بینا کیا
یہ تو سچ ہے میں نیازِ عشق سے واقف نہیں
کچھ مزاجِ حسن کا تم نے بھی اندازا کیا
باوجودِ سعیِ پیہم اب نہیں اُٹھتے قدم
حیرتِ نظارۂ منزل یہ تو نے کیا کیا
جس جگہ دل تھا وہاں اک داغ آتا ہے نظر
نالۂ خاموش کی تاثیر نے یہ کیا کیا
سوزِ غم کا بزمِ ہستی میں تصرف دیکھئے
پھر مرا دل خاک سے پروانے کی پیدا کیا
ناوکِ غم تو مذاقِ درد میں پیوست ہے
چارہ گر کیوں زخمِ دل، زخمِ جگر دیکھا کیا

کر رہی ہے سرزنش کیوں عشق کی فطرت مجھے
دل نے شاید پھر خیال شکوہ بیجا کیا
بے نیازی تھرتھرا اٹھی مزاج حسن کی
دل نے جس دم بارگاہِ عشق میں سجدا کیا
جاگ اُٹھا خواب گراں سے کاروانِ زندگی
جب الم میں نے سرِ منزل کوئی نالا کیا

(۵۶)

دگرگوں محفلِ ہستی کی حالت ہو نہیں سکتی
کہ میں جب تک نہیں اٹھتا قیامت ہو نہیں سکتی
کوئی سمجھے گا کیا اس فطرتِ آزاد کا رتبہ
کسی عالم میں جو بیزار ہمت ہو نہیں سکتی
نہ خطرہ ہے خزاں کا اور نہ اُمیدِ بہارِ گل
نشیمن میں قفس جیسی فراغت ہو نہیں سکتی
نتیجہ ہے خوشی جب ہر مصیبت کا زمانے میں
تو میری شامِ غم کیوں صبح عشرت ہو نہیں سکتی
بہارِ گل کا مژدہ یا نویدِ وصل جاناں ہو
مصیبت میں کوئی شے وجہ راحت ہو نہیں سکتی

حقیقت وہ ناآلِ عشق کی کیا خاک سمجھیں گے
ہمارے حال سے بھی جن کو عبرت ہو نہیں سکتی

خدا کی ذات پر اے ناخدا جس کا بھروسہ ہے
وہ کشتی غرقِ طوفانِ ہلاکت ہو نہیں سکتی

مسافر جگنوؤں سے اپنا دل بہلا کہ تاروں سے
سکوں انگیز تیری شامِ غربت ہو نہیں سکتی

وہ دن بھی آئینگے گونجیں گے جب ہر سو مرے نغمے
اَلم پابندِ زنداں میری وحشت ہو نہیں سکتی

(۵۷)

پھولوں سے پُوچھئے نہ ستاروں سے پوچھئے
دل کیا ہے اشکِ غم کے شراروں سے پوچھئے

راحت نوازِ شوق ہے گُستاخیٔ نیاز
دامن کشی کے لُطف کو خاروں سے پوچھئے

یہ رنگ و بُو یہ جوش یہ مستی ہے اور شے
کیا ہے شراب بادہ گُساروں سے پوچھئے

گلچیں تو بے نیاز ہے احساسِ درد سے
رنجِ شکستِ گُل کو بہاروں سے پوچھئے

بام و در شہی نظر افروز ہیں، مگر
ان کی حقیقتوں کو مزاروں سے پوچھئے

دم بھر کے واسطے بھی جھپکتی نہیں نظر
ہیں کس کے انتظار میں تاروں سے پوچھئے

ملتا ہے اُن کی بزم سے ہر بات کا جواب
لیکن خموش ہو کے اشاروں سے پوچھئے

مَر مَر کے زندگی ہی میں جیتے ہیں روز و شب
رازِ فنا کو درد کے ماروں سے پوچھئے

ہر جلوہ ترجمانِ حقیقت ہے اے الَمؔ
آئینہ گر کو آئینہ داروں سے پوچھئے

(۵۸)

مجھ کو سمجھے ہیں مرے اہل وطن میرے بعد
دے رہے ہیں مجھے اب دادِ سخن میرے بعد

ہیں گرانبار نظر سَرو و سمن میرے بعد
کتنی بے رنگ ہے تصویر چمن میرے بعد

گرمیٔ شوق ہوئی ختم نہیں آتا ہے
کوئی پروانہ سرِ شمع لگن میرے بعد

اہلِ دانش نے سب آئینِ محبت بدلے
رہنِ تجدید ہے ہر رسم کہن میرے بعد
خاکِ منصور سے آتی ہے یہ آواز ابھی
بند ہے سلسلۂ دار و رسن میرے بعد
قبر پر آئے ہیں وہ فاتحہ خوانی کے لئے
کچھ تو بدلی روشِ چرخ کہن میرے بعد
یہ بہاروں میں شگفتِ گل و لالہ ہے کہاں
رنگ لائے ہیں میرے داغِ کہن میرے بعد
کوئی بھی اہلِ وفا کی نہیں کرتا تائید
کیسا بگڑا ہے زمانے کا چلن میرے بعد
ہے ہواؤں کا گزر گورِ غریباں میں بھی
مجھ تک آجاتے ہیں پیغامِ چمن میرے بعد
اس لئے میں نے پلایا ہے اُسے خونِ دل
دل کئی پیدا کرے خاکِ وطن میرے بعد
تھی شگفتہ نگہی اس کی محبت کے لئے
اب کہاں حسن میں بے ساختہ پن میرے بعد
ایسے کچھ نقشِ وفا میں نے الم چھوڑے ہیں
یاد کرتے ہیں مجھے اہلِ وطن میرے بعد

(۵۹)

جلوے سب حسن کے موجود ہیں میخانے میں
طور بھی شیشے میں بجلی بھی ہے پیمانے میں
حسن نے بخش دیا جوشِ محبت کو فروغ
پھونک دی روحِ وفا شمع نے پروانے میں
روح مستانہ کسی مستِ ازل کی ساقی
رقص کرتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانے میں
مرکزِ حسن تو ہے دسترسِ شوق سے دور
پھر بھی اک جذبۂ ناکام ہے پروانے میں
ایک سادہ سی حقیقت کو مٹانے کے لئے
روز ہوتے ہیں اضافے مرے افسانے میں
جس کے ہر ذرّے میں پوشیدہ ہیں لاکھوں فردوس
ایک ایسا بھی چمن ہے مرے ویرانے میں
دل میں ہر قطرۂ خوں صورتِ اخگر ہے الم
عوضِ بادہ ہے آتش مرے پیمانے میں

(۶۰)

سمجھنا رازِ مرگ و زیست کا مشکل نہ بن جائے
ہر اک ذرہ دلِ برباد کا پھر دل نہ بن جائے

نہ آئیں سامنے بے پردہ وہ چشمِ تماشا کے
کہ تمئیز حق و باطل کہیں مشکل نہ بن جائے

سکوں پیغام مرگ ناگہاں ہے بحرِ ہستی میں
مجھے ڈر ہے کوئی موجِ رواں ساحل نہ بن جائے

نہیں ہوتا ہے مجھ کو اعتبار دل محبّت میں
یہ رہبر راستے میں رہزنِ منزل نہ بن جائے

مجھے در پردہ پیغام وفا دیتی ہے جو ہر دم
مرے حق میں الٰہی وہ نظر قاتل نہ بن جائے

بڑھی جاتی ہے حیرت چشم نظّارہ کی ہر لمحہ
ترا جلوہ کہیں اب پردۂ حائل نہ بن جائے

بکھر جائے ابھی دم بھر میں شیرازہ دو عالم کا
اگر خود پاسبانِ جذبۂ دل، دل نہ بن جائے

الٰم بے ضابطہ مشقِ فغاں اور بزمِ ہستی میں
کوئی نالہ ترا برہم کنِ محفل نہ بن جائے

(۶۱)

قدغن ہے اب کے یہ چمنِ روزگار میں
ہر آشیاں کے پاس قفس ہو بہار میں

تصویرِ انقلاب ہے اک بزمِ عیش کی
ذرّوں کا وجد و رقص نہیں ہے غبار میں
کہدے کوئی یہ جراءتِ چشمِ مجاز سے
ہر جلوہ بے نقاب نہیں جلوہ زار میں
نیرنگیوں نے حسن کی مجبور کر دیا
اَب حوصلہ نہیں نگہِ اعتبار میں
تھیں ظلمتیں محیط شب ہجر جس قدر
اتنی ہی چاندنی ہے ہمارے مزار میں
یہ بھی ہے معجزہ غمِ الفت کا اے آلمؔ
آنے لگا ہے لُطف غمِ روزگار میں

(۶۲)

گرمیاں آہ میں آتی ہیں اثر سے پہلے
پھُول کھلتے ہیں سرِ شاخ ثمر سے پہلے
کیا خبر کون چھدا تیرِ نظر سے پہلے
دل سے ٹپکا تھا لہو یا کہ جگر سے پہلے
طالبِ عشق نہ تھا حسن، تو وہ میری طرف
ملتفت کیوں ہوئے پیغامِ نظر سے پہلے

کعبہ تو دور ہے یہ دیرِ مغاں ہے اے دل
ہے یہ بہتر کہ گزر جائیں اِدھر سے پہلے

زندگانیٔ جہاں پر ہے بھروسہ بیکار
ختم ہو جائے گی اک رقصِ شرر سے پہلے

عشق پروانے کا ہے اہلِ وفا میں بدنام
جل بجھا بزم میں خود شمعِ سحر سے پہلے

یوں سنبھلنے کو تو سنبھلا ہے مگر صبحِ فراق
ڈوب ہی جائے گا دل نجمِ سحر سے پہلے

تب کہیں ہوگا اثر گریۂ غم میں پیدا
برسوں آئے گا لہو دیدۂ تر سے پہلے

رتبۂ عشق کا احساس بھی ہو جائے گا
آپ آگاہ تو ہوں ذوقِ نظر سے پہلے

اہلِ فن کا ہو وہاں کون خریدار الم
پائے قیمت جہاں خرمہرہ گہر سے پہلے

(۶۳)

حسن کی بارگاہ میں عجز تمام چاہئے
عرضِ نیازِ شوق سے پہلے سلام چاہئے

ساقی نگاہِ لُطف کے سب ہی اُمیدوار ہیں
دورِ شرابِ لالہ فام جام بہ جام چاہیئے

داغِ جنونِ عشق کی اور فزوں ہوں تابشیں
شامِ حیات کو مری ماہِ تمام چاہیئے

صورتِ نقشِ رہ گزر عاجزی اختیار کر
عرش کی رفعتوں پہ گر تجھ کو مقام چاہیئے

صرف کلیم ہی سا تھا برقِ جمال کا خطاب
جلوۂ عام کے لئے دعوتِ عام چاہیئے

لُطفِ سخن سے تا کہ ہو ذوقِ لطیف بہرہ گیر
معنئ خوب کے لئے حُسنِ کلام چاہیئے

جلوۂ ناز شکریہ زحمتِ گاہ گاہ کا
میری نگاہ کو مگر کیفِ دوام چاہیئے

سب ہی نگاہ میں رہیں اپنے ہوں یا کہ غیر ہوں
محفلِ ناز میں تری ایسا نظام چاہیئے

راہ گزارِ شوق میں کب سے آلمؔ ہے پائمال
ایک نظر اِدھر بھی اے مستِ خرام چاہیئے

(۶۴)

جلوہ گاہِ ناز تک جانے کے قابل ہوگئی
اے زہے قسمت کہ میری ہر نظر دل ہوگئی

کیوں خودی آموز میری سعیٔ حاصل ہوگئی
کیا نوشتِ خامۂ تقدیر باطل ہوگئی

ہے ترے جلووں کی عُریانی حریفِ ضبطِ شوق
مشکل اب پابندیٔ آدابِ محفل ہوگئی

مدتوں سے تھی جو ساقی ایک ساغر کی اُمید
وہ بھی نذرِ انتظارِ دورِ محفل ہوگئی

قابلِ عبرت ہے انجامِ نمودِ سُوزِ غم
خاکِ پروانہ سحر تک گردِ محفل ہوگئی

تھی نہ آزادِ فنا کشتیٔ دل اے ناخدا
موجِ طوفاں سے بچی تو نذرِ ساحل ہوگئی

کوئی اعجازِ سفر تھا یا فریبِ چشمِ شوق
سامنے آکر نہاں آنکھوں سے منزل ہوگئی

بحرِ ہستی میں رہی بیگانۂ منزل وہ موج
جو الم آسودۂ دامانِ ساحل ہوگئی

(۶۵)

عشق میں حاصل مجھے اب گریۂ حاصل کہاں
مدتیں گزریں کہ چشمِ تر میں خونِ دل کہاں

باعثِ ہستی مری الفت ہے یا تیرا جمال
دیکھئے ہوتا ہے حل یہ عقدۂ مشکل کہاں

دونوں عالم کو ہے کیا نسبت مقامِ عشق سے
تیری نظریں پڑ رہی ہیں ناشناسِ دل کہاں

لے چلا ہے جس طرف کشتی کو تو اے ناخدا
وہ بھی ہے طوفاں کی اک موجِ رواں ساحل کہاں

دشتِ گم شدگی میں اب کس طرح اٹھیں گے قدم
جادۂ منزل نظر آتا نہیں منزل کہاں

تیری نظریں دے رہی ہیں تجھ کو دھوکا پے بہ پے
ہے غبارِ دشتِ دیوانے یہاں محمل کہاں

یہ مآلِ سوزِ غم سے ہے ابھی ناآشنا
اُڑ کے جاتا ہے الم پروانۂ محفل کہاں

(۶۶)

زندگانی وقت پر خاموش جل جانے میں ہے
یوں بظاہر شمع میں ہے کچھ نہ پروانے میں ہے

عام ہے گو دعوتِ جلوہ تری محفل میں آج
پھر بھی اک تمیز باقی اپنے بیگانے میں ہے

آمد و رفت نفس کا ہے اشارہ پے بہ پے
زندگانی اضطرابِ شوق بن جانے میں ہے

میکدے میں دخترِ رز کو ملے کیا کیا مقام
کسوتِ مینا میں ہے خم میں ہے پیمانے میں ہے

پھوڑتا ہے سر تو سنگِ آستانِ یار سے
بیخودی میں بھی خودی کا رنگ دیوانے میں ہے

مست رکھتی ہے جو رندانِ ازل کو وہ شراب
جامِ جم میں ہے نہ ساقی تیرے پیمانے میں ہے

جس سے روشن ہے جہاں کی آج ہر بزمِ نشاط
صرف وہ شمعِ تجلّیٰ میرے غم خانے میں ہے

کس لئے تسلیم کر لوں امتیازِ جزو و کل
بحر ہر قطرے میں ہے خرمن ہر اک دانے میں ہے

اے حرم والو! الم کا پوچھتے ہو کیا نشاں
مدتوں سے معتکف ہے اور بتخانے میں ہے

(۶۷)

دُنیا کہاں نگاہِ حقیقت نگر کہاں
آیا ہوں جستجو میں کسی کی مگر کہاں

کیا دیکھتا ہے زخم کو یہ دیکھ چارہ گر
دل میں خلش نواز ہے تیرِ نظر کہاں

تم بے نقاب آئے مگر وقتِ واپسیں
اب چشم انتظار میں تابِ نظر کہاں

تھی وقتِ مرگ زیرِ مژہ اک لہو کی بوند
رکھی چھپا کے میں نے متاعِ جگر کہاں

پروانہ کہہ رہا تھا یہ جل جل کے شمع پر
دیکھو ہوا ہے قصّۂ غم مختصر کہاں

ہر جلوہ عکسِ آئینہ ہے بزمِ دہر میں
آئینہ بھی یہاں نہیں آئینہ گر کہاں

راہِ عدم ہے یہ کہ رہِ ہست و بُود ہے
مجھ کو خبر نہیں کہ ہوں گرمِ سفر کہاں

ہر ذرّہ دے رہا ہے اَلَم دعوتِ جمال
لیکن جہاں میں چشمِ حقیقت نگر کہاں

(۶۸)

یہ قفس کی زندگی کا ہے پیام غائبانہ
جسے بلبلیں سمجھتی ہیں بہار کا ترانہ
وہاں ذہن فلسفی کی ہے رسائی غیر ممکن
جہاں دیکھتی ہے تجھ کو نگہہِ قلندرانہ
کوئی فرق ہی نہیں ہے جو بغور دیکھتا ہوں
وہی داستاں ہے میری جو ہے آپ کا فسانہ
اسی واسطے ہے پیہم نظر اس پہ بجلیوں کی
ہے سجی ہوئی گلوں سے مری شاخ آشیانہ
مرے حق سے چشم پوشی نہیں باغباں کو لازم
ہے ابھی تو گلستاں میں مری خاکِ آشیانہ
کوئی بتکدے کے دامن سے اٹھے گا بت شکن بھی
ذرا انتہا کو پہنچے تو کمالِ آزرانہ
مری بیخودی بڑھا دے ذرا چھیڑ دے مغنّی
کوئی جاں گداز نغمہ کوئی غم فزا ترانہ
جو بوقتِ دورِ ساغر سرِ میکدہ نہ پہونچے
الَم اُن کی قسمتوں میں نہ تھا بادۂ مغانہ

(۶۹)

تھی تو گرمی اس میں بھی، گرمیِ خاکِ دل نہ تھی
خاکِ پروانے کی سوزِ عشق کا حاصل نہ تھی

جو لبِ غنچہ سے نکلی اور ہوا میں بس گئی
کیا یہ آوازِ شکستِ آرزوئے دل نہ تھی

شمعِ سوزاں پر پتنگے صبح تک جلتے رہے
یہ مآلِ سوزِ غم تھا گرمیِ محفل نہ تھی

موجزن تھی اک حیاتِ تازہ بعدِ ہر فنا
شورشِ ہستی کوئی ہنگامۂ باطل نہ تھی

میں نے یوں کشتی کا رُخ پھر سوئے طوفاں کر دیا
سازگارِ دل ہوائے دامنِ ساحل نہ تھی

مست تھی مسرور تھی بزمِ ازل کے کیف سے
روح جب تک قیدیٔ زندانِ آب و گل نہ تھی

قافلے والے نہ سمجھے رہ گزارِ عشق میں
حسرتوں کی خاک تھی گردِ سرِ منزل نہ تھی

تھی حجابِ روئے جاناں شوخیٔ ہر جلوہ بھی
کچھ ہماری ہی نظر اک پردۂ حائل نہ تھی

سازِ ہستی کو بطورِ نغمہ وہ بخشی گئی
جو فغانِ دل کہ ضبطِ عشق کے قابل نہ تھی
سیکھنا تھا اے الم کچھ اضطرابِ موج سے
درس آموز عمل خاموشیِ ساحل نہ تھی

(۷۰)

بہارِ ہستی نواز اپنی تجلّیاں بے نقاب کر دے
چمن کی تاریک خلوتوں کو تو مشرقِ آفتاب کر دے
عطا فسردہ مزاج دل کو وہ قوتِ انقلاب کر دے
بنا دے قطرے کو جو کہ طوفاں بھنور کو موجِ حباب کر دے
ہوائے شعلہ نوازِ محفل کی جنبشوں میں تڑپنے والے
کسی کی نظروں میں تجھ کو رُسوا کہیں نہ یہ اضطراب کر دے
حقیقتِ حُسن و عشق کیا ہے ہر اک نظر پر ہو یہ ہویدا
تمہاری شوخی تمہارے جلوؤں کو بھی اگر بے حجاب کر دے
غمِ محبّت کی وسعتوں کے لئے بھی گنجائشیں ہوں جس میں
دلوں کو تقسیم کرنے والے مجھے وہ دل انتخاب کر دے
ملے گی اک لازوال لذت مآلِ سُوزِ نہاں سے تجھ کو
جلا کے داغِ جگر کی گرمی سے اپنے دل کو کباب کر دے

حقیقتیں دو جہاں کی پھر تو آلمؔ نظر آئیں گی اسی میں
جو ہو سکے تو کسی کے جلوؤں کا اپنے دل کو جواب کر دے

(۷۱)

عشق نے انگڑائی لی جب نغمہ خواں ہوتے ہوئے
حسن جاگا نیند سے مست و جواں ہوتے ہوئے

میں ازل سے جا رہا ہوں اپنی منزل کی طرف
بے محابا کارواں در کارواں ہوتے ہوئے

اے پتنگے بن مثالِ شمع گر تو بن سکے
حاصلِ سوز و وفا آتش بجاں ہوتے ہوئے

کچھ مٹے سے نقشِ پا بھی ہیں جنوں کی راہ میں
ہم سے پہلے کوئی گزرا ہے یہاں ہوتے ہوئے

قوتِ دستِ جنوں گر ہے سلامت دیکھنا
دامنِ ہستی کو اک دن دھجیاں ہوتے ہوئے

برق بھی پروردہ رنگِ چمن ہے اس لئے
دوست بھی ہے یہ حریفِ آشیاں ہوتے ہوئے

اک نظر سے اُن کی یہ سمجھا ہوں میں اے ہم نشیں
حسنِ ظن بھی ہے انہیں کچھ بدگماں ہوتے ہوئے

پھر مرتب کر رہی ہے محفلِ سوز و فنا
خاکِ پروانہ وجودِ رائیگاں ہوتے ہوئے

میں نہیں ہوں ذمّہ دارِ برہمیٔ کائنات
میں کہاں تھا ہوش میں گرمِ فغاں ہوتے ہوئے

عہدِ گل میں کس لئے فکرِ نشیمن ہے تجھے
ڈالی ڈالی پر چمن کی آشیاں ہوتے ہوئے

وقت پر غماز بن جاتی نہ گر بوئے چمن
دیر لگتی انقلابِ گلستاں ہوتے ہوئے

کیا جنوں افزا ہے اب کے آمدِ فصلِ بہار
اڑ رہے ہیں ہم اسیرِ آشیاں ہوتے ہوئے

آکے بامِ عشق پر چشمِ حقیقت بیں سے دیکھ
اک زمیں ہے آسماں بھی آسماں ہوتے ہوئے

آستانِ دیرِ ہستی سے اٹھالے سر آلمؔ
تا بکے دیکھے گا سجدے رائگاں ہوتے ہوئے

سلام

تضمین بر غزل علامہ سیماب اکبر آبادی

(۱)

حُر کو جہان عشق میں کیا مرتبا ملا
پَروانہ بن کے شمع رسالت سے جا ملا
کہتا ہوا حسینؑ سے وہ باوفا ملا
اب کیا بتاؤں میں ترے ملنے سے کیا ملا
عرفانِ غم ہوا مجھے دل کا پتا ملا

(۲)

نورِ نگاہ دخترِ خیر الوریٰ ملا
شمس الضحیٰ ملا مجھے بدر الدجیٰ ملا
احمدؐ ملے علیؑ بھی ملے اور خدا ملا
منزل ملی مُراد ملی مدعا ملا
سَب کچھ مجھے ملا جو ترا نقشِ پا ملا

(۳)

بن کر شباب اکبرؑ گلگوں قبا ملا
زورِ کمال بازوئے عباسؑ کا ملا
شبیرؑ کے وجود میں شکلِ رضا ملا
خود بین و خود شناس ملا خود نما ملا
انساں کے بھیس میں مجھے اکثر خدا ملا

(۴)

کیا دے گا اب فریب کوئی بانیٔ فساد
سمجھا ہوں اب میں اُلفتِ شبیرؑ کا مفاد
پاؤں گا میں تو دونوں جہاں میں وِلا کی داد
کیوں یہ خدا کو ڈھونڈنے والے ہیں نامراد
گزرا میں جب حدودِ خودی سے خدا ملا

(۵)

عباسؑ تو حسینؑ سے رازِ نہاں نہ پوچھ
میدانِ کربلا کی کوئی داستاں نہ پوچھ

عالم نگاہ شوق کا اے نوجواں نہ پوچھ
سرگشتۂ جمال کی حیرانیاں نہ پوچھ
ہر ذرّے کے حجاب میں اک آئینہ ملا

(۶)

کھا کھا کے تیر کہتا تھا فرزندِ مصطفےٰ
ہر زخم دے رہا ہے مجھے اک نیا مزا
لیکن یہ سب کرشمہ ہے حسنِ مجاز کا
پایا تجھے حدودِ تعیّن سے ماہوا ماورا
منزل سے کچھ نکل کے ترا راستا ملا

(۷)

پوری ہوئی نہ کوئی تمنّا تمام عمر
رنج و الم میں وقت گزارا تمام عمر
دم بھر کو بھی نہ خوش اُسے پایا تمام عمر
سیماب کو شگفتہ نہ دیکھا تمام عمر
کم بخت جب ملا ہمیں غم آشنا ملا

قطعہ تاریخ

(جناب علیم اختر مظفر نگری تلمیذ جناب مولانا الم مظفر نگری)

علوئے رتبۂ استادِ من بیا و بہ بیں
کہ رفت شہرۂ نظمش بہ اوجِ عرش عظیم
زہے بلاغتِ شعرش کہ روحِ سحبان گفت
کمالِ فنِ الم ہست واجب التسلیم
کلامِ او بلباسِ اشاعت آمدہ است
ازیں نوید دماغم شدست پُر ز شمیم
چو سال طبع بجُستم بفور اے اختر
دلم گرفت ز۔ یک موجِ کوثر و تسنیم

۱۳۷۱ھ

"سلسبیل"

بعد نظرِ ثانی و بہ ترتیب جدید

"سلسبیل" حضرت مولانا آلمؔ مظفر نگری کا پہلا مجموعۂ کلام ہے۔ یہ نظم و غزل کا شاہکار ایک مرتبہ شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکا ہے مگر اشاعت اوّل میں کچھ طباعتی فروگزاشتیں رہ گئی تھیں اس لئے مُصنّف موصوف نے بعد نظرِ ثانی اسکو باہتمام خاص طبع کرانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ مجموعہ نظم و غزل کے اجتہادی رنگ اور جدید تغزل کے ارتقا کا بہترین نمونہ ہے۔ عہدِ حاضر میں شاعری کے حقیقی مفہوم اور مقصود کو سمجھنے کے لئے "سلسبیل" کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ کتابت طباعت دیدہ زیب، کاغذ نفیس اور گرد پوش جاذبِ نظر ہوگا۔ اہلِ نظر ابھی سے اپنا نام خریداروں کی فہرست میں لکھوالیں تاکہ بعد تکمیل کتاب وقت پر اُنکی خدمت میں روانہ کردی جائے۔

ناظم دارالاشاعت فردوس منزل مظفر نگر